انعم خان

مکمل ناول

دلاس

"واپس کب آؤ گے؟" ملیحہ نے گاڑی پارک کرتے ہوئے عذیر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔
"تقریباً ایک مہینے بعد۔" وہ مختصراً کہتے ہوئے بیک سیٹ سے اپنا بیگ نکالنے کے لیے پیچھے مڑا۔

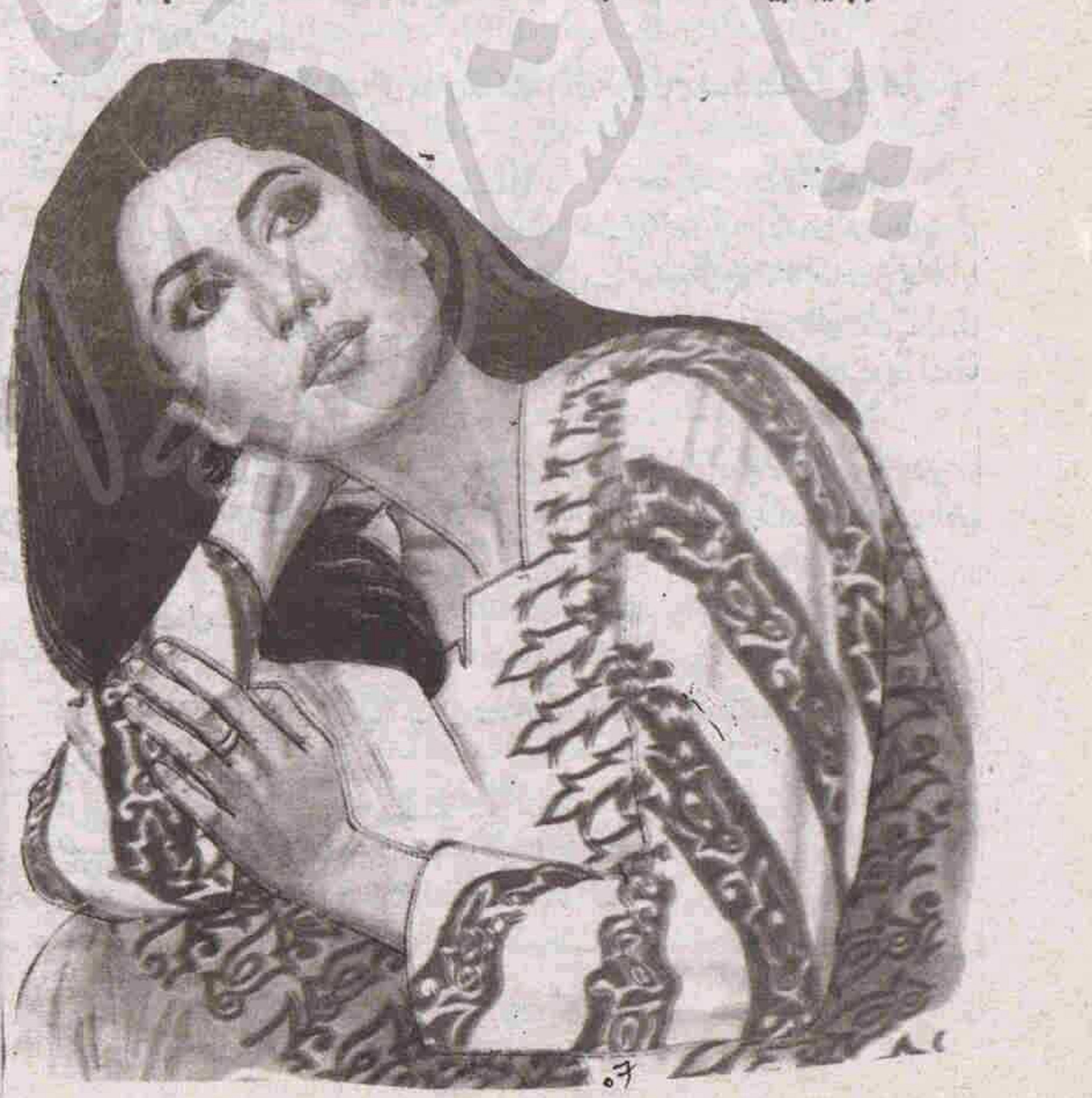

"کیا...... ایک مہینے بعد؟" وہ شاید حیران ہوئی تھی۔
"ہاں بھئی...... اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے"۔ وہ اس کے انداز پر مسکراتے ہوئے گاڑی سے اُترا۔
"تم اس سے پہلے اتنا عرصہ مجھ سے دور تھوڑی گئے ہو جو میں حیران نہ ہوں"۔ وہ گاڑی لاک کرتے ہوئے نارمل سے انداز میں بولی تھی لیکن اس کی بات نے عذیر کو کچھ اور ہی سوچنے پر مجبور کیا تھا اسی لیے وہ دھیرے سے مسکرا اٹھا جبھی وہ کچھ یاد آنے پر عذیر سے پوچھنے لگی۔
"ویسے تم نے ایک مہینے کی ارجنٹ چھٹیاں کس کام کے لیے لی ہیں؟"
"کسی ضروری کام کے لیے نہیں بس بابا جان نے کہا ہے کہ میں کچھ دنوں کے لیے فوری طور پر لاہور پہنچ جاؤں ایک سرپرائز میرا منتظر ہے"۔ وہ بتانے لگا۔
"ہوں سرپرائز...... سرپرائز سے یاد آیا میرے پاس بھی تمہارے لیے ایک دھماکہ خیز سا سرپرائز موجود ہے"۔ ملیحہ فراز اس کی ہمراہی میں ایئرپورٹ کی جانب چلتے ہوئے بولی۔

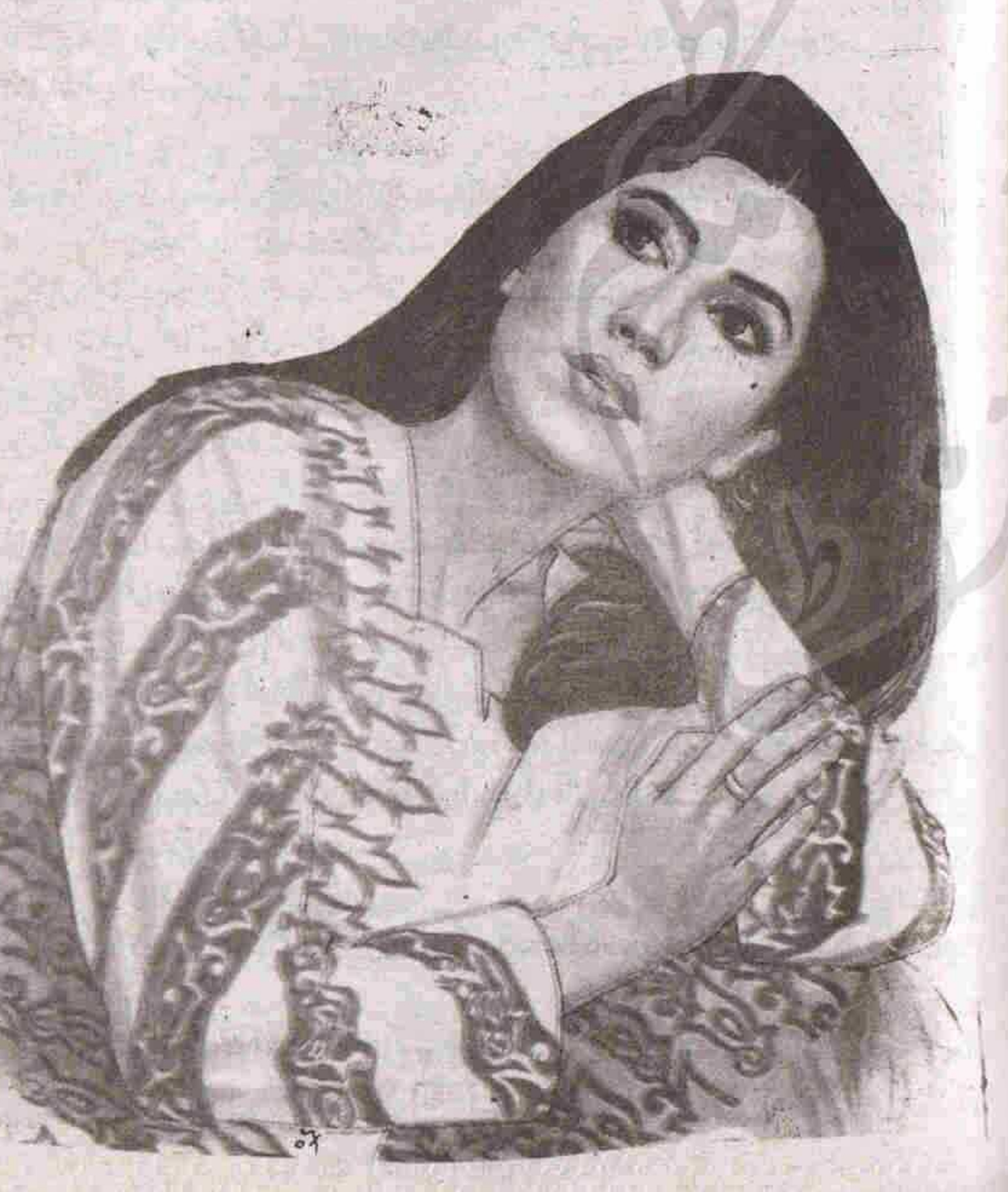

"اچھا...... تو پھر جلدی سے بتاؤ کہ وہ دھماکہ خیز سا سرپرائز کیا ہے؟" وہ اشتیاق سے استفسار کرنے لگا۔

"اونہہ...... ابھی نہیں"۔ اس نے صاف انکار کیا۔

"ابھی کیوں نہیں؟"

"وہ اس لیے کہ اگر ابھی بتایا تو پھر وہ سرپرائز تو نہ ہوا ناں؟" ملیحہ ایک ادا سے بولی۔

"کم آن یار! اسسپنس مت Create کرو اور جلدی سے بتا دو ورنہ پھر میری ساری چھٹیاں یہی سوچنے میں گزر جائیں گی کہ کیا ہے آخر اس سرپرائز میں"۔ وہ بے تابی سے بولا تو ملیحہ کو ہنسی آ گئی۔

"ایسی بھی کیا بے تابی ہے جناب کو جاننے میں؟"

"تم نہیں جانتی میری بے تابی کو ملیحہ فراز!" وہ دل میں اس سے مخاطب ہوا اور بظاہر مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

"جب تم واپس آؤ گے تب میں تمہیں اپنے "دھماکہ خیز" سرپرائز کے متعلق بتاؤں گی سمجھے"۔ وہ دونوں ایئرپورٹ کے اندر داخل ہو چکے تھے۔ فلائٹ کی اناؤنسمنٹ ہو چکی تھی سو عذیر احمد صدیقی مزید بحث کرنے کے بجائے اس سے اجازت لینے لگا۔

"اوکے تو پھر میں چلتا ہوں' ٹھیک ایک ماہ بعد انشاء اللہ دوبارہ یہیں تم سے ملاقات ہو گی"۔ وہ بولا۔

"انشاء اللہ ضرور!" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"اللہ حافظ......!"

"ملیحہ......!" وہ جانے کے لیے مڑی ہی تھی کہ عذیر نے اس کا نام پکار لیا جس پر وہ مڑی تھی۔

"ہوں......" اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اپنا خیال رکھنا"۔ وہ دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ اپنائیت بھرے لہجے میں بولا۔

"تم بھی اپنا خیال رکھنا"۔ وہ بھی ہونٹوں پر مسکان سجاتے ہوئے بولی' اسے ہمیشہ ہی عذیر کا یہ کہنا "اپنا خیال رکھنا" بہت اچھا لگتا تھا' عذیر نے ایک پیاری سی اسمائل اس کی طرف پاس کی اور جانے کے لیے پلٹ گیا' ملیحہ فراز بھی اس کے جانے کے بعد گاڑی کی سمت بڑھ گئی۔

............☆☆☆............

"بابا جان نظر نہیں آ رہے؟" ماما اور کشف سے ملنے کے بعد اس نے زبیر احمد صدیقی کے متعلق پوچھا۔

"ہاں...... دراصل وہ تمہارے چچا کے گھر کچھ ضروری باتیں طے کرنے گئے ہوئے ہیں' بس آتے ہی ہوں گے"۔ آسیہ زبیر بیٹے کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے اُسے بتانے لگیں۔

"کیا مطلب' کیسی ضروری باتیں؟" وہ ناسمجھی کے عالم میں استفسار کرنے لگا۔

"ضروری باتوں بلکہ بہت ہی ضروری باتوں کے متعلق تو آپ کو بابا جان ہی بتائیں گے' ہم تو بتانے سے رہے' بابا جان نے سختی سے منع کیا ہے کہ ہم دونوں میں سے کوئی بھی آپ کو فی الحال کچھ نہ بتائے"۔ کشف فوراً بولی۔

"اچھا جی!" عذیر نے شرارتی انداز میں کہا۔

"ہاں جی!" وہ بھی اسی کے انداز میں بولی۔

"ماما! اب مجھے اس سرپرائز کے متعلق تو بتائیں جس کے لیے مجھے فوراً لاہور بلایا گیا تھا"۔ عذیر کچھ یاد آنے پر ماں کی طرف متوجہ ہوا۔

"ارے بھیا! پہلے بابا جان کو تو آنے دیں' وہی آپ کو سرپرائز کے متعلق تفصیل سے بتائیں گے"۔ کشف' آسیہ

بیگم سے پہلے بولی' عذیر نے اس کے سسپنس پھیلانے پر حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"عذیر! جب تک تمہارے بابا نہیں آ جاتے تب تک تم آرام کر لو"۔ آسیہ زبیر کے کہنے پر وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا' اب جو سرپرائز اسے شام کو ملنے والا تھا جانے وہ اس کو سننے کے بعد خوش ہوتا یا...... خیر یہ تو شام کو ہی معلوم ہونا تھا' زبیر احمد صدیقی کے آنے تک وہ بھرپور آرام کر چکا تھا اور اب فریش ہو کر ان کے سامنے تھا' ملنے ملانے کے بعد اس نے سب سے پہلے سرپرائز سے متعلق ہی اُن سے پوچھا تھا۔

"بابا جان! اب بتائیں منتظر سرپرائز کے متعلق"۔

"ارے برخوردار! اتنی بھی کیا جلدی' تھوڑا صبر کر لو پھر آرام سے بات کریں گے"۔

"نہیں بابا جان! اب مجھ سے مزید صبر نہیں ہوتا' یقین کریں جس دن آپ نے مجھے بتایا تھا اُس دن سے صبر کر کے خود کو بہت آزما چکا ہوں' اب مزید انتظار نہیں کر سکتا"۔ وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے برجستہ بولا' انداز میں جاننے کی بے چینی تھی۔

"ٹھیک ہے تو پھر سنو"۔ وہ عذیر کی بے صبری پر مسکرائے پھر مزید بولے۔

"سرپرائز یہ ہے کہ ٹھیک اگلے ہفتے شادی ہو رہی ہے اور......"

"شادی ہو رہی ہے مگر کس کی؟" وہ لفظ "شادی" سن کر چونکا' کیونکہ ابھی تک جہاں تک وہ جانتا تھا ان کے پورے خاندان میں نئی نسل میں کسی کی منگنی وغیرہ نہیں ہوئی تھی' سب کزنز میں وہی بڑا تھا سو زبیر احمد صدیقی کی بات کاٹتے ہوئے حیرانگی سے پوچھنے لگا۔

"یار! بڑی بے چینی ہے تمہیں' پہلے پوری بات تو سن لو"۔

"اوکے سوری"۔ وہ شرمندہ ہوا۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ شادی ہو رہی ہے اور وہ بھی اگلے ہفتے......" وہ پھر سے بولنے لگے تو ایک مرتبہ پھر عذیر انہیں ٹوک گیا۔

"لیکن بابا جان! یہ شادی ہو کس کی رہی ہے' کہیں آپ تو......" وہ مصنوعی شکی سے انداز میں بولا' لب و لہجہ شریر تھا' کشف بھی مسکرائی۔

"میری عمر ہے شادی کی؟" جواباً وہ مصنوعی غصے سے عذیر کو گھورتے ہوئے مسکرائے تو وہ فوراً سنجیدہ ہوا تب زبیر احمد صدیقی نے اپنی بات کا آغاز سنجیدگی سے کیا۔

"جب تم دونوں اور ظہیر (زبیر احمد کے چھوٹے بھائی) کے بچے چھوٹے تھے تو اس وقت ہم سب نے فیصلہ کیا کہ تمہارا رشتہ زارا سے اور کشف کا عمیر سے طے کیا جائے' خاندان بھر میں کسی کو اعتراض نہ تھا سو ہم نے تم چاروں کی بات طے کر دی' پھر جب تم چاروں کچھ بڑے ہوئے تو ہم نے متفقہ فیصلے سے چند قریبی دوستوں اور رشتے داروں کی موجودگی میں تم چاروں کے نکاح کی رسم بھی ادا کر دی اور اب جب کہ تم برسر روزگار ہو اور زارا بھی اپنی پڑھائی مکمل کر چکی ہے تو ہم نے سوچا ہے کہ تم دونوں کی شادی کر دی جائے جبکہ عمیر اور کشف کی شادی اگلے ایک دو سال میں کر دی جائے گی"۔ وہ اپنی ہی دھن میں بولے جا رہے تھے جبکہ عذیر احمد صدیقی اس غیر یقینی انکشاف پر حیران و پریشان گویا سکتے میں چلا گیا تھا' یہ سرپرائز اس کے لیے کسی زوردار دھماکے سے کم نہ تھا' اس سرپرائز نے اسے واقعی سرپرائزڈ کر دیا تھا' اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسا سب کچھ اسے سننے کو ملے گا' زبیر احمد صدیقی اپنی بات مکمل کرنے کے بعد سوالیہ نظروں سے بیٹے کی طرف دیکھنے لگے کہ وہ کچھ کہے گا' لیکن وہ اس حیران کن انکشاف کے بعد اپنے ہوش و

حواس میں تھا ہی کہاں کہ کچھ بول سکتا۔
"ہاں بھئی اب بتاؤ کیسا لگا تمہیں ہمارا سرپرائز؟" اسے خاموش دیکھ کر زبیر احمد ہی نے لب وا کیے تھے مگر اس کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا' وہ سب حیران ہوئے۔
"عذیر بیٹا!" اب کی بار وہ عذیر کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلاتے ہوئے بلند آواز میں بولے تو وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہوا۔
"بھئی کہاں کھو گئے تم؟" زبیر احمد صدیقی نے دوستانہ انداز سے پوچھا۔
"جی"۔ وہ شاید ابھی تک مکمل طور پر اپنے ہوش و حواس میں واپس نہیں آیا تھا۔
"میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے' کیسا لگا سرپرائز؟" وہ عذیر کو حواس باختہ دیکھ کر دوبارہ استفسار کرنے لگے' جب وہ خود کو سنبھالتے ہوئے قدرے توقف کے بعد سنجیدہ مگر دوٹوک بولا۔
"بابا جان! میں یہ شادی نہیں کر سکتا"۔ جسے سن کر گویا سب بے یقین ہوئے تھے۔
"عذیر! یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟" آسیہ بیگم نے بے یقینی سے بیٹے کی طرف دیکھا۔
"تم اپنے ہوش میں تو ہو' یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟" زبیر احمد بھی حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔
"میں یہی کہہ رہا ہوں کہ مجھے زارا سے شادی نہیں کرنی"۔ اب کی بار وہ تقریباً حتمی لہجے میں بولا۔
"مگر کیوں؟" زبیر احمد صدیقی یکلخت طیش میں آئے۔
"کیونکہ میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں اور شادی بھی اُسی سے کروں گا' زارا کے متعلق میں نے کبھی ایسے نہیں سوچا اور نہ کبھی سوچوں گا' آپ پلیز اس بات کو یہیں ختم کر دیں اور چچا جان کو بھی منع کر دیں"۔ وہ اپنی کہہ کر وہاں رُکا نہیں تھا اور اس کے جانے کے بعد زبیر احمد صدیقی غیر متوقع انکار پر اپنے ٹوٹتے وجود کو سمیٹنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے صوفے پر گر چکے تھے۔
عذیر اپنے کمرے میں چلا آیا' اس کا موڈ جو کچھ دیر پہلے خاصا خوشگوار تھا' اب اتنا ہی اپ سیٹ تھا' اس کا سارا وجود غصے سے کھول رہا تھا' اپنی شادی کا سن کر وہ تو جیسے سکتے میں ہی چلا گیا تھا' چند ثانیے وہ کمرے میں اِدھر سے اُدھر پریشانی و اضطراب میں ٹہلتا رہا مگر پھر کچھ سوچنے کے بعد آگے بڑھا اور اپنا موبائل اٹھا کر ظہیر احمد کے گھر کا نمبر ڈائل کرنے لگا' دو تین بیل جانے کے بعد دوسری طرف سے "ہیلو" کی آواز ابھری تھی اور خوش قسمتی کہ زارا نے ہی کال ریسیو کی تھی' وہ آواز پہچان چکا تھا جبھی قدرے توقف کے بعد سنجیدگی سے گویا ہوا۔
"زارا! میری بات غور سے سنو' اب میں تم سے جو کچھ کہنے والا ہوں اس کو قبول کرنے میں ہی ہم دونوں کی بھلائی ہے' سو میری بات کو غور سے سننا اور اس پر عمل بھی کرنا"۔ عذیر کچھ پل کو رُکا تو دوسری جانب اول تو زارا اس کی کال پر حیران تھی اور اب حیران پریشان اس کی باتوں کو سمجھنے کی ناکام کوشش کرنے کے بعد بولی۔
"میں سمجھی نہیں آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟"
"دیکھو زارا! میں نے پوری زندگی میں تمہارے متعلق کبھی نہیں سوچا' میرا مطلب ہے کہ ہم دونوں کی شادی کے متعلق' ہم دونوں کزنز ہیں' دوست بھی ہیں مگر میرے دل و دماغ میں کبھی تمہارے لیے اس رشتے سے متعلق کوئی احساسات و جذبات پیدا نہیں ہوئے' میں تم سے شادی نہیں کر سکتا' تم چچا جان کو انکار کر دو"۔ وہ رُکھائی و سفاک لہجے میں کہتا کچھ پل کو رُکا' اس دوران دونوں اطراف خاموشی رہی' عذیر منتظر تھا کہ وہ کچھ بولے لیکن دوسری طرف مکمل سکوت تھا سو وہ ہی دوبارہ بولا۔

"زارا! تم میری بات سن رہی ہو ناں؟" وہ پوچھ رہا تھا جبکہ زارا صدیقی کا وجود دھماکوں کی زد میں تھا' عذیر کی آواز پر اس نے اپنے ساکت ہوتے وجود کے ساتھ بمشکل ارد گرد نظر دوڑائی' وہاں کسی دوسرے شخص کے نہ ہونے کی یقین دہانی کرنے کے بعد وہ خود کو قدرے مضبوط کرتے ہوئے نارمل سے لہجے میں استفسار کرنے لگی۔
"کیا میں انکار کی وجہ جان سکتی ہوں؟"
"وائے ناٹ! میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں اس لیے تم سے شادی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' میں نے بابا جان سے بھی کہہ دیا ہے تم بھی چچا جان کو انکار کر دو' اسی میں ہم سب کی بہتری ہے"۔ وہ سپاٹ انداز میں بولا۔
"اور اگر میں انکار نہ کروں تو آپ کیا کریں گے؟" جواباً وہ بہت سوچنے کے بعد اس سے پوچھنے لگی۔
"کیا مطلب؟" وہ یقیناً چونکا تھا۔
"مطلب یہ کہ...... اس شادی پر اعتراض آپ کو ہے' پسند آپ کسی اور کو کرتے ہیں میں نہیں' اس شادی سے انکار کرنے پر بھلائی آپ کی ہے میری نہیں' کیونکہ شادی سے پہلے طلاق کے کاغذات میری باکردار زندگی پر بدنما دھبہ ہوں گے' آپ کی زندگی پر نہیں اور بہتر یہی ہوگا مسٹر عذیر احمد صدیقی کہ آپ خود ہی انکار کریں کیونکہ مجھ میں اتنی سکت نہیں کہ میں اپنے والدین کے سامنے انکار کر سکوں"۔ بہت کنٹرول کرنے کے باوجود بھی زارا صدیقی آخر میں جذباتی ہو کر چلا اُٹھی تھی۔
"کیا بکواس کر رہی ہو تم؟" عذیر کو اس کے انداز بیان پر شدید غصہ آیا تھا۔
"وہی جو تم سن رہے ہو"۔ وہ اچانک ہی آپ سے تم پر آئی تھی' پھر مزید بولی۔
"اینڈ بائی دا وے مسٹر عذیر! انکار کرنے سے پہلے تمہیں یہ تو سوچ لینا چاہیے تھا کہ جس کو تم ٹھکرا رہے ہو اُسی کے بھائی کے ساتھ تمہاری بہن کا بھی نکاح ہو چکا ہے اور ویسے بھی تمہیں میرا نہ سہی اپنی بہن کی زندگی کا' اس کے مستقبل کا خیال تو ہونا ہی چاہیے' کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں میں؟" زارا کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی طنزیہ ہوا تھا۔
"تم مجھے دھمکی دے رہی ہو؟" عذیر غصیلے انداز میں چلایا' زارا کی باتوں سے اسے غصے کے ساتھ ساتھ شدید جھٹکا دیا تھا' اس کے خیال میں وہ بغیر کوئی جرح کیے انکار کر دے گی لیکن ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔
"آں ہاں...... میں تمہیں دھمکی نہیں دے رہی ہوں البتہ تمہیں یہ ضرور بتانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ تمہارے فیصلے کے بعد تصویر کا دوسرا رُخ کیا ہو سکتا ہے اور اب جہاں تک میرا خیال ہے تم آگے جو بھی فیصلہ کرو گے سوچ سمجھ کر اور دل سے کرو گے' خدا حافظ"۔ اپنی بات ختم کر کے زارا نے رابطہ ختم کر لیا تھا جبکہ وہ گنگ سا اپنی جگہ پر کھڑا موبائل کو گھور رہا تھا۔

............☆☆☆............

عذیر کے فون کے بعد وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی' کنول (چھوٹی بہن) دو تین دفعہ اسے بلانے آئی تھی لیکن اس نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کرتے ہوئے ہر بار اسے واپس بھیج دیا تھا اور واقعی اس کے فون کے بعد مسلسل رونے سے اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی' مسلسل رونے سے آنکھیں بھی سوج چکی تھیں' سر بھی درد کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا اور اس کا دل تو جیسے اس کے اختیار سے باہر ہو چکا تھا' کتنی محبت کرتی تھی وہ عذیر سے مگر عذیر کی باتوں نے تو جیسے اس کا چاہت بھرا دل ایک ہی جھٹکے میں چکنا چور کیا تھا۔
عذیر احمد صدیقی نے زارا صدیقی کے دل پر اُسی دن دستک دی تھی جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا' وہ عذیر سے بے لوث و سچی محبت کرنے لگی تھی' اگرچہ اسے اپنے اور عذیر کے نکاح کے متعلق کوئی علم نہ تھا لیکن وہ اسے ہی جانے انجانے میں اپنا ہمسفر منتخب کر چکی تھی' ہوش سنبھالنے اور جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے کے بعد اسے دل کی نگری

میں ہمیشہ عذیر احمد صدیقی کا چہرہ ہی نظر آیا تھا' وہ تو جیسے زارا کی سوچوں کا محور بن چکا تھا' اٹھتے بیٹھتے' سوتے جاگتے صرف عذیر ہی اس کے خوابوں خیالوں اور اس کی تنہائیوں میں تھا' اس کے ہر جذبات ہر احساسات پر قابض' وہ بناؤ سنگھار کرتی تھی تو صرف اس کے نام پر' اور عذیر کے لیے اس کی محبت سے سب واقف بھی تھے اور اگر کوئی نہیں تھا تو وہ صرف عذیر احمد صدیقی تھا' زارا کو جب ظہیر احمد صدیقی کے ذریعے اپنے اور عذیر کے نکاح کا علم ہوا تو یہ محبت یہ چاہت اور بھی زیادہ بڑھ گئی تھی' نئے جذبوں کے ساتھ' نئی امنگوں کے ساتھ اور نئی سوچوں اور شدتوں کے ساتھ۔ لیکن ابھی کچھ دیر پہلے عذیر کے فون کے بعد یہ محبت اچانک ہی نفرت میں بدل گئی تھی' یا شاید دوسری لڑکی سے عذیر کی محبت کے خیال نے اس کے دل میں نفرت و جیلسی کا بیج بویا تھا' ایسی نفرت یا جیلسی جو برسوں پرانی محبت سے کئی گنا زیادہ شدت لیے ہوئے تھی اور شاید اسی وجہ سے وہ عذیر کے سامنے کشف کا حوالہ نا چاہتے ہوئے بھی دے گئی تھی۔

............☆☆☆............

ملیحہ فراز سے پہلی ملاقات میں ہی وہ جان گیا تھا کہ یہی وہ ہے' اس کے خوابوں کی شہزادی جو اکثر اس کے خوابوں میں آ کر اُسے چاہت بھری شرارت سے اپنی طرف مائل کرتی اور پھر گھنٹوں اس سے باتیں کرتی رہتی' چاہتوں کے سفر میں اس کی ہم سفر رہتی' جس کا دھندلا سا چہرہ وہ کبھی واضح طور پر نہ دیکھ سکا لیکن آج وہ دھندلا چہرہ ملیحہ فراز کی صورت میں بالکل صاف شفاف ہو کر اس کے سامنے کھڑا تھا' ملیحہ سے چند ملاقاتوں کے بعد ہی دونوں میں گہری دوستی ہو گئی تھی اور شاید اسے ملیحہ سے محبت بھی...... اور پھر ملیحہ فراز کی فرینک لہجے میں کہی گئی عام باتوں کو بھی وہ اس کی طرف سے محبت کا اظہار سمجھنے لگ گیا تھا مگر ابھی تک خود اس کے سامنے اپنی محبت کا کھل کر اعتراف نہیں کر سکا تھا۔

زارا صدیقی کو اس نے ہمیشہ کزن کی حیثیت سے ہی دیکھا تھا' اس سے زیادہ نہیں کہ وہ اپنے دل میں زارا کے لیے پیار' عشق و محبت کو پروان چڑھاتا' اس کے نزدیک زارا کا حوالہ تک تو ٹھیک تھا مگر شادی کے متعلق سوچنا اسے کبھی گوارا نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ آج اپنے اور اس کے نکاح کے متعلق جان کر بھی کوئی جذبہ محبت اس کے دل میں نہیں جاگا تھا' ملیحہ فراز ہی اس کے اَنگ اَنگ میں رچ بس چکی تھی' ملیحہ کے علاوہ کوئی اور اس کی زندگی میں آئے یہ اسے ہرگز گوارا نہ تھا۔ البتہ زارا کی طرف سے ہری جھنڈی ملنے کے بعد وہ کچھ پریشان سا ہو گیا تھا۔

............☆☆☆............

عذیر کے انکار سے وہ بہت ہرٹ ہوئے تھے' ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ ان کے فیصلے کو قبول کرنے سے انکار بھی کر سکتا ہے' زبیر احمد صدیقی کو جہاں بیٹے کے شادی سے انکار کرنے پر شدید صدمہ پہنچا تھا وہیں انہیں یہ پریشانی الگ ستا رہی تھی کہ وہ اپنے بھائی کو کیا جواب دیں گے؟ انہیں کیا بتائیں گے کہ عذیر نے شادی سے انکار کیوں کیا ہے؟ لوگ کیا کہیں گے؟ ایک ہفتے پہلے شادی کیوں رُک گئی؟ شادی کے رُک جانے سے دونوں گھروں میں جو قیامت آئے گی اس کے اثرات کیا ہوں گے؟ ایسے بہت سے سوالات تھے جو گھر کے مکینوں کے ذہن میں گردش کر رہے تھے' زبیر احمد صبح سے کمرے میں بند تھے' عذیر دوبارہ ان کے سامنے نہیں آیا تھا۔

''تم نے بات کی اُس سے؟'' آسیہ زبیر جیسے ہی کمرے میں داخل ہوئیں وہ پوچھنے لگے۔

''نہیں' ابھی تک وہ اپنے کمرے میں ہے''۔

''اسے بلاؤ' میں کوئی بھی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے ایک مرتبہ پھر اس کی رائے لینا چاہتا ہوں''۔

''میں بلاتی ہوں اسے''۔ کہتے ہی وہ کمرے سے باہر نکل گئیں۔

زبیر احمد' ظہیر احمد سے بات کرنے سے پہلے آخری مرتبہ عذیر سے حتمی فیصلہ لینا چاہتے تھے' آسیہ بیگم شوہر کے

کہنے پر بیٹے کو بلانے گئیں لیکن اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتیں انہیں عذیر کی آواز سنائی دی تو وہ باہر ہی رُک گئیں۔

''کشف! تم بابا جان سے بات کر کے تو دیکھو پلیز''۔

''بھیا! میں اس سلسلے میں آپ کی کچھ مدد نہیں کر سکتی''۔ وہ آہستگی سے کہتے ہوئے صاف انکار کر گئی۔

''مگر کیوں؟''

''کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ زارا کے بجائے کوئی اور میری بھابی بنے' میں نے خود بابا جان سے آپ کی اور زارا کی شادی کے لیے بات کی تھی' تب مجھے بابا جان نے بتایا کہ آپ دونوں کا نکاح انہوں نے بچپن میں ہی کر دیا تھا' یقین کریں یہ سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی تھی' میری شروع ہی سے خواہش تھی کہ زارا آپ کی دلہن بنے''۔

''زارا' زارا' پاگل ہو چکا ہوں میں صبح سے زارا کی گردان سن کر''۔ وہ یکلخت ہی غصے میں آ کر اس کی بات کاٹتے ہوئے دھیمے دھیمے لفظوں میں چلایا' کشف اس کے چلانے پر سہم گئی تھی مگر وہ جلد ہی خود پر کنٹرول کرتے ہوئے مزید بولا' اب کی بار لہجہ میں شائستگی تھی۔

''تم ایک مرتبہ ملیحہ سے مل کر تو دیکھو کشف! وہ بہت اچھی ہے''۔

''مجھے کسی سے نہیں ملنا' زارا ہی آپ کی دلہن اور میری بھابی بنے گی بس اور اگر آپ کو یہ منظور نہیں تو پلیز آئندہ مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں''۔ کشف کے لہجے میں قطعیت تھی' اسی وقت آسیہ بیگم کمرے میں داخل ہوئیں۔

''ماما آپ!'' انہیں دیکھتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''تمہارے بابا تمہیں بلا رہے ہیں''۔ تمام باتیں سن چکنے کے بعد وہ اور کچھ نہ بولیں البتہ اسے اطلاع دے کر واپس پلٹ گئیں' کشف بھی ان کے پیچھے ہی باہر نکلی۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی زبیر احمد صدیقی کے سامنے کھڑا تھا۔

''اب کیا فیصلہ ہے تمہارا؟''

''وہی جو پہلے تھا''۔ وہ مختصراً مگر سپاٹ انداز میں بولا۔

''یعنی تم یہ شادی نہیں کرو گے؟ آخر چاہتے کیا ہو تم؟ ساری دنیا میں سب کے سامنے ہمیں بدنام' بے عزت کرنا چاہتے ہو؟ یا پھر یہ چاہتے ہو کہ لوگوں کی نظر میں ہم اپنی عزت اور ناموس کو برقرار رکھنے کے لیے ختم کر لیں خود کو اور اگر تم یہی چاہتے ہو تو جاؤ وہ سامنے دراز میں ریوالور پڑا ہوا ہے' اٹھاؤ اور ساری کی ساری گولیاں میرے سینے کے پار کر دو''۔ وہ بہت ضبط کے باوجود بھی چلا اُٹھے تھے۔

''بابا جان! میں نے ایسا کب چاہا ہے؟'' وہ واقعی شرمندہ ہوا تھا' بے بسی سے بولا البتہ آواز دھیمی تھی۔

''ایسا نہیں چاہتے تو پھر انکار کیوں کر رہے ہو؟ تم مجھے بتاؤ کیا کمی ہے زارا میں؟''

''کوئی کمی بھی نہیں ہے زارا میں بابا جان! لیکن پھر بھی میں اس سے شادی نہیں کر سکتا''۔ عذیر نے پھر انکار کیا۔

''کیوں؟'' زبیر احمد صدیقی غصے سے دھاڑے۔

''کیوں کہ میں ملیحہ سے شادی کا وعدہ کر چکا ہوں''۔ یہ اچانک ذہن میں آنے والا جھوٹ اس نے جواز کے طور پر استعمال کیا کہ شاید اس سے وہ مان جائیں۔

''ایک وعدے کی خاطر تم برسوں پہلے کیے گئے نکاح کو توڑنا چاہتے ہو؟'' زبیر احمد ایک لمحہ میں اُسے لاجواب کر گئے۔

''تم نے شاید اپنا فیصلہ کرنے اور سنانے سے پہلے یہ نہیں سوچا کہ تمہارے انکار سے کیا کچھ ہو سکتا ہے' دونوں گھروں میں تمہارے فیصلے سے کیا قیامت برپا ہو سکتی ہے؟ تم شاید اپنے فیصلے کی تکمیل کے بعد خوش و آباد ہی ہو گے

لیکن جہاں تمہاری وجہ سے زارا کی زندگی برباد ہوگی وہیں کشف کی زندگی بھی برباد ہوسکتی ہے‘ میں نے تمہیں یہاں اس لیے بلایا ہے کہ تم کوئی بھی حتمی فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے اردگرد موجود لوگوں کے متعلق ایک مرتبہ سوچ لو شاید ان کے متعلق سوچنے سے تم ایک بہتر فیصلہ کرسکو“۔ وہ بولے جارہے تھے اور عذیر خاموشی سے سنے جارہا تھا‘ جہاں اُسے اپنی خوشیاں عزیز تھیں وہیں اپنی اکلوتی اور لاڈلی بہن کی خوشیاں بھی پیاری تھیں۔ کمرے میں اس وقت مکمل خاموشی تھی‘ زبیر احمد اور آسیہ بیگم اس کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے جبکہ وہ کسی گہری سوچ میں گم شاید کوئی حتمی فیصلہ کررہا تھا‘ کشف بھی آسیہ بیگم کے کہنے کے مطابق تھوڑی ہی دیر میں ہاتھ میں چائے کی ٹرے لیے آگئی تھی‘ کمرے میں چھائی خاموشی کو ایک مرتبہ پھر زبیر احمد صدیقی کی بھاری آواز نے توڑا۔

”تم اگر اس لڑکی سے شادی کا وعدہ کرچکے ہو تو ٹھیک ہے تم اپنا وعدہ ضرور نبھاؤ لیکن اس سے پہلے تمہیں زارا سے شادی کرنا ہوگی‘ اگر تمہارا نکاح نہ ہوا ہوتا تو اور بات تھی“۔ عذیر احمد صدیقی ہنوز خاموش تھا۔

”دیکھو عذیر بیٹا! تمہارے بابا ٹھیک کہہ رہے ہیں‘ اگر نکاح نہ ہوا ہوتا تو یقیناً ہم تمہارے فیصلے پر غور کرتے مگر اب بات کی نوعیت اور ہے‘ اب جبکہ نکاح بھی ہوچکا ہے اور ہم شادی کی تاریخ بھی طے کرچکے ہیں تو ہم سب کی خاطر تم انکار مت کرو‘ یہ ہماری عزت کا سوال ہے“۔ دونوں باپ بیٹے کی گفتگو کے دوران آسیہ بیگم پہلی مرتبہ بولیں تھیں۔ عذیر چند ثانیے خاموش رہنے کے بعد کشف کی طرف دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

”ٹھیک ہے ماما! میں صرف کشف کی خاطر یہ شادی کروں گا جبکہ شادی کے بعد شاید میں زارا کو اس کا حق ٹھیک طریقے سے نہ دے سکوں اور وہ بھی شاید اس رشتے کو مجبوراً قبول کرے‘ آپ لوگ بعد میں مجھ سے گلہ مت کیجیے گا‘ اور بابا جان جہاں تک دوسری شادی کا سوال ہے وہ تو میں ضرور کروں گا“۔ وہ سنجیدگی سے بات ختم کرتا ایک جھٹکے سے کمرے سے باہر نکل گیا جبکہ اس کی باتوں نے زبیر احمد صدیقی کو نئے سرے سے الجھن میں ڈال دیا تھا۔

”آپ پریشان مت ہوں‘ انشاء اللہ شادی کے بعد سب ٹھیک ہوجائے گا“۔ آسیہ بیگم نے انہیں پریشان دیکھ کر گویا تسلی دی تو انہوں نے اثبات میں سرہلا دیا۔

............☆☆☆............

عذیر کے اقرار کے بعد شام کو زبیر احمد بیوی کے ساتھ بھائی کے گھر گئے تھے تاکہ چند ضروری باتیں طے کرسکیں اور زارا کو جب اُن کے آنے کا مقصد پتہ چلا تو اُسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا‘ اس کا دل چاہا کہ جاکر سب کے سامنے کہہ دے کہ اسے عذیر سے شادی نہیں کرنی مگر پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے اپنا ارادہ بدل دیا اور کچھ دیر سب کے پاس بیٹھنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی آئی اور آتے ہی عذیر کا نمبر ڈائل کرنے لگی‘ عذیر جو سارا دن الجھن و پریشانی میں غرق رہا آخری فیصلہ سنانے کے بعد کمرے میں آکر آرام کی غرض سے سونے کی کوشش کررہا تھا‘ اچانک ہونے والی موبائل بیل پر قدرے توقف کے بعد آنکھیں مسلتا اٹھ بیٹھا‘ موبائل اسکرین پر نظر ڈالی تو چچا کے گھر کا نمبر نظر آیا‘ پہلے تو وہ حیران ہوا پھر کندھے اُچکاتے ہوئے یس کا بٹن پریس کرکے موبائل کان سے لگاتے ہوئے بے دلی سے بولا۔

”ہیلو!“

”لگتا ہے بہت سوچ سمجھ کر اور دل سے فیصلہ کیا ہے تم نے؟“ عذیر کے ہیلو کے جواب میں دوسری جانب سے زارا کی طنزیہ آواز اُبھری تھی‘ زارا کے انداز نے عذیر کو چونکنے پر مجبور کیا تھا۔

”دل سے تو نہیں البتہ سوچ سمجھ کر ضرور فیصلہ کیا ہے“۔ عذیر کی نیند تو اُڑن چھو ہوہی چکی تھی البتہ چند ثانیے خود کو سیٹ کرنے کے بعد بولا۔

”ویسے میں حیران ہوں کہ تم نے اتنا بڑا فیصلہ اتنے کم وقت میں کیسے کرلیا‘ اب دیکھو ناں شادی ایک دن کا کھیل تو نہیں ہے جو سوچے سمجھے بغیر یا پھر ایک ہی لمحے میں ہاں یا ناں کا فیصلہ کیا جائے“۔ زارا کے بولنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ کسی بہت ہی چھوٹے سے بچے کو کچھ سمجھانے کی کوشش کررہی ہو‘ عذیر حیران سا اسے سنے جارہا تھا پھر قدرے توقف کے بعد وہ مزید بولی۔

”یہ تو عمر بھر ساتھ نبھانے کا نام ہے اور اکثر جلد بازی میں یا ناسمجھی میں کیے گئے فیصلے اس رشتے کو ایسے نازک موڑ پر لے آتے ہیں جہاں سے یہ......“

”تم یہ سب مجھے کیوں بتارہی ہو؟“ عذیر اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

”اس لیے کہ تم بھی اُن ہی لوگوں میں سے ہو جو جلد بازی میں کیے گئے فیصلوں پر بعد میں پچھتاتے ہیں لیکن تب تک بہت دیر ہوچکی ہوتی ہے“۔ وہ بڑے آرام سے بولی۔

”تم کہنا کیا چاہتی ہو؟“ عذیر کو اس کی باتیں اور اس کا انداز کسی حد تک تپا گیا تھا۔

”مجھے لگتا ہے کہ تم نے کسی مجبوری کے تحت شادی کے لیے حامی بھری ہے‘ کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں مسٹر عذیر احمد صدیقی؟“ زارا اس کے سوال کو اگنور کرتے ہوئے قدرے توقف کے بعد طنزیہ لہجے میں پوچھنے لگی۔

”شٹ اپ!“ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی عذیر نے غصے سے چلاتے ہوئے لائن کاٹ دی‘ دوسری جانب زارا صدیقی اس کے عمل پر مسکرائی تھی۔

............☆☆☆............

ایک ہفتہ بڑی تیزی سے تیاریوں کی نذر ہوا تھا‘ تمام قریبی رشتے دار شادی سے ایک دو دن پہلے پہنچ گئے‘ کراچی سے آنے کے بعد عذیر نے ایک مرتبہ بھی ملیحہ سے بات نہیں کی تھی بلکہ اپنا موبائل ہی آف کرکے الماری میں رکھ دیا تھا کہ کہیں ملیحہ خود سے ہی فون نہ کردے کیونکہ اس وقت وہ جس ذہنی کیفیت اور آزمائش سے گزر رہا تھا وہ اس کے لیے بہت تکلیف دہ اور پریشان کن تھی‘ عذیر شادی کی تمام رسومات میں ناچاہتے ہوئے بھی شرکت کررہا تھا اور زبیر احمد صدیقی کے لیے عذیر کا تمام رسموں میں شرکت کرنا ہی کافی تھا۔

اور پھر زارا وداع ہوکر ایک گھر سے دوسرے گھر میں آگئی‘ ریت رواج کے مطابق چھوٹی موٹی رسموں کے بعد اسے عذیر کے کمرے میں پہنچایا گیا‘ پورا کمرہ سرخ گلاب کے پھولوں سے سجایا گیا جس کی وجہ سے پورا کمرہ پھولوں کی بھینی بھینی سی خوشبو سے مہک رہا تھا‘ زارا بیڈ کے وسط میں بیٹھی ہوئی تھی۔ زارا نے ایک طائرانہ نگاہ اپنے اطراف میں دوڑائی اور جائزہ لینے لگی‘ پھر کچھ سوچتے ہوئے بیڈ سے اُتر کر وارڈروب کی طرف چلی گئی اور ایک سادہ سا جوڑا نکال کر واش روم میں گھس گئی‘ پھر تھوڑی دیر بعد وہی سادہ جوڑا زیب تن کیے واش روم سے نکلی تھی‘ اب کے چہرہ میک اپ سے عاری تھا‘ ایک ہاتھ میں اس نے تمام زیورات پکڑے ہوئے تھے جنہیں ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں رکھ کر مزے سے آرام وسکون اپنے اندر اتارتی بیڈ پر آن بیٹھی۔ عذیر ابھی تک کمرے میں نہیں آیا تھا سو وہ روایتی دلہنوں سے ہٹ کر اس کا انتظار کیے بغیر لائٹ آف کرکے بیڈ کے ایک کونے پر لیٹ گئی اور ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ ابھی وہ سونے کے لیے لیٹی ہی تھی کہ اسے دروازہ کھلنے کی آواز آئی‘ زارا کا دل ایک لمحے کو سہما مگر پھر اگلے ہی پل اس نے خود کو مضبوط کرتے ہوئے کروٹ بدلی‘ عذیر کمرے میں داخل ہوتے ہی بُری طرح ٹھٹک سا گیا‘ آہستگی سے دروازہ لاک کرنے کے بعد آگے بڑھا اور ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کردی اور پھر جو منظر اسے دیکھنے کو ملا وہ اسے حیران کرنے کے لیے کافی تھا مگر حیرانگی کے ساتھ ساتھ اس کے اندر شدید غصہ عود کر سامنے آیا۔ بھلے یہ

شادی اس کی مرضی سے نہیں ہوئی تھی لیکن پھر بھی وہ زارا کو دلہن کے روپ میں دیکھنا اپنا حق سمجھتا تھا اور جو حق زارا صدیقی نے دانستہ اس سے چھین لیا تھا۔ مارے غصے وطیش کے وہ چیل کی مانند آگے بڑھا اور ایک زوردار جھٹکے سے اسے جھنجوڑ ڈالا اور زارا جو اس کی آمد سے باخبر، خود کو سوتا ظاہر کر رہی تھی اس اچانک افتاد پر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"کیا ہے یہ سب؟" اسے عروسی کے بجائے سادہ سے سوٹ میں لیٹا دیکھ کر وہ واقعی غصے سے آگ بگولہ ہوا تھا، دھیمے لہجے لفظوں میں استفسار کرنے لگا، لہجہ خونخوار تھا، زارا شاید کسی بھی ردعمل کے لیے پہلے ہی سے خود کو تیار کر چکی تھی سو چہرے پر مدھم مگر طنزیہ مسکراہٹ لاتے ہوئے سکون سے بولی۔

"وہی جو تم چاہتے تھے"۔

"کیا بکواس کر رہی ہو تم؟" اس کا پارہ مزید ہائی ہوا تھا۔ جبکہ عذیر کے برعکس زارا بڑے سکون میں تھی۔

"اب اتنے بھی معصوم مت بنو تم!" وہ تمسخرانہ انداز میں بولی پھر توقف کے بعد اپنی بات میں مزید اضافہ کرنے لگی۔

"تم نے سوچا ہوگا کہ میں تمہارے انکار کے باوجود روایتی دلہنوں کی طرح تمہارا انتظار کروں گی کہ کب تم آؤ گے اور کب گھونگھٹ اٹھا کر ہمیشہ ساتھ نبھانے کے سچے جھوٹے وعدے کرو گے"۔ زارا اس کے مقابل کھڑی کچھ دیر کو رکی۔

"جب میں ہمارے نکاح کے متعلق جانتی تک بھی نہیں تھی اس وقت سے بلکہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا تھا تب سے اپنی تمام خوشیاں، تمام سکھوں، ہر خواب اور تمام یادوں میں صرف ایک ہی شخص کو پایا اور جانتے ہو عذیر احمد! وہ شخص کون تھا؟ جسے میں نے سوچا، جسے میں نے ہمیشہ چاہا، تم تھے وہ شخص عذیر، تم تھے وہ شخص جس کے ساتھ دانستگی یا نادانستگی میں، میں نے خود کو منسوب کر لیا تھا اور میں پاگل تھی جو ہمیشہ یہی سمجھتی رہی کہ تم بھی مجھے اتنا ہی چاہتے ہو جتنا میں تمہیں چاہتی ہوں، ہمیشہ یہی سمجھتی رہی کہ میری محبت، میرا پیار یکطرفہ نہیں ہے، میری طرح تم بھی ہر چہرے میں مجھے محسوس کرتے ہو گے، مجھے تلاشتے ہو گے اور ہمیشہ......"

"بند کرو اپنی بکواس، تمہاری ان باتوں سے میں تمہاری طرف مائل ہونے والا نہیں، پیار و محبت کی باتیں سنا کر تم یہ چاہتی ہو کہ میں مجبوری میں کی گئی شادی کو دل سے قبول کر لوں گا تو سنو زارا صدیقی! میں تمہاری ان باتوں سے پگھلنے والا نہیں ہوں، یہ شادی صرف ایک مجبوری میں کیے گئے فیصلے کی بناء پر ہوئی ہے اور ایک بات کان کھول کر سن لو کہ میں مجبوری میں کیے گئے اس فیصلے کو کبھی دل سے قبول نہیں کروں گا"۔ وہ جنون سے بولے جا رہی تھی جب عذیر اس کی بات کاٹتے ہوئے قطعیت سے بولا اور پھر اگلے ہی لمحے واش روم کی طرف بڑھنے لگا جب زارا کی آواز نے اس کے بڑھتے قدموں کو رکنے پر مجبور کیا۔

"میں چاہتی بھی نہیں ہوں کہ تم اس رشتے کو دل سے قبول کرو کیونکہ تمہارے ایک انکار نے میرے دل میں موجود تمام محبتوں کو، تمام جذبوں، آرزوؤں کو ایک پل میں نفرت میں بدل دیا ہے اور یہ نفرت اس محبت سے کئی گنا بڑھ کر ہے جو میں نے کبھی تم سے کی تھی اور جہاں تم نے مجبوری میں یہ شادی کی ہے وہیں میں نے بھی یہ شادی مجبوراً کی ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ تمہیں تمہاری فکر تھی اور مجھے میرے ماں باپ کی عزت پیاری تھی اور اس شادی کے لیے رضامندی ظاہر کرنے سے پہلے میں نے خود سے عہد کیا تھا کہ تم سے میرا رشتہ صرف کاغذی ہوگا، اس سے آگے کچھ نہیں"۔ وہ اطمینان سے کہتی بیڈ پر لیٹ گئی، عذیر اس کی باتوں کو نظر انداز کرتا ایک سرسری سی نگاہ اس پر ڈالتا واش روم کی طرف بڑھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ فریش ہو کر نائٹ ڈریس میں واش روم سے باہر آیا اور بال بنانے لگا، زارا اُسے دیکھتے ہی اٹھ بیٹھی، جب تک وہ بال بنا کر بیڈ کے دوسرے کونے پر آ بیٹھا تو زارا اس کی طرف حیرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے

استفسار کرنے لگی۔

"تم یہاں سوؤ گے؟"

"کیا مطلب؟" عذیر غیر متوقع سوال پر یقیناً چونکا تھا۔

"مطلب یہ کہ یہاں صرف میں سوؤں گی، تم یہاں نہیں سو سکتے، تم وہاں سامنے صوفے پر جاؤ"۔ وہ بیڈ کے بالکل سامنے پڑے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سنجیدگی سے بولی۔

"میں اور صوفے پر...... تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" زارا کی بات سن کر وہ غصے سے پھنکارا تھا، زارا پر اس کے غصے کا رتی برابر بھی اثر نہ ہوا۔

"میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ ہمارا رشتہ صرف کاغذی حد تک ہی ہوگا، اس سے آگے کچھ نہیں، سو بہتر یہی ہوگا کہ تم......"

"اس رشتے کو کاغذی حد تک رکھنے کا عہد تم نے کیا ہے میں نے نہیں، اور ویسے بھی میں تمہیں چھونے کا، تم پر حکم چلانے کا اور اس کے علاوہ ہر قسم کا شرعی اور قانونی حق رکھتا ہوں، جسے استعمال کرنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا، تم بھی نہیں"۔ عذیر اس کی بات کاٹتے خاصے چیلنجنگ انداز میں بولا۔ اب کے زارا کے پاس کوئی جواب نہ تھا سو وہ خاموش رہی، عذیر نے اس کی خاموشی پر طنزیہ مسکراہٹ چہرے پر سجائی اور بیڈ سے اترتے ہوئے دوبارہ گویا ہوا۔

"تمہاری خاموشی سے صاف ظاہر ہے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے تم اسے مانتی ہو اور ماننا بھی چاہیے، ہے ناں؟" تمسخرانہ انداز میں کہتا وہ صوفے پر لیٹ گیا، پھر حکمیہ بولا۔

"لائٹ آف کر دو!"

"ہمارے یہاں ایک رسم ہوتی ہے منہ دکھائی، جس میں دُلہا دلہن کو دیکھتا ہے اور کوئی گفٹ وغیرہ دیتا ہے"۔ عذیر کو لیٹا دیکھ کر وہ کچھ سوچنے کے بعد باآواز بلند بولی، عذیر نے چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"اچھا......"

"میرا نہیں خیال کہ تم نے کوئی گفٹ وغیرہ لیا ہوگا!"

"بالکل درست خیال ہے تمہارا"۔ وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے گویا ہوا، حالانکہ اس نے گولڈ کی رنگ زارا کے لیے لی ہوئی تھی لیکن اسے دلہن کے روپ کے بجائے عام سادہ سے حلیے میں دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ بدل لیا تھا۔

"مجھے امید بھی یہی تھی کہ تم یہ زحمت نہیں کرو گے، اسی لیے میں نے پہلے سے رِنگ لے لی تھی"۔ زارا ہاتھ میں پکڑی رِنگ کو فضا میں لہراتے ہوئے بولی۔

"کیوں؟" عذیر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"اپنی عزت کی خاطر"۔ وہ مختصراً مگر چبا چبا کر بولی تو عذیر بغیر کوئی جواب دیے کروٹ بدل گیا، مطلب واضح تھا وہ مزید بحث نہیں کرنا چاہتا تھا سو زارا بھی لائٹ آف کر کے لیٹ گئی۔

............☆☆☆............

عذیر نے پہلے ہی سب سے کہہ دیا تھا کہ شادی کے بعد نہ تو ولیمہ ہوگا اور نہ ہی دعوتیں وغیرہ، سو شادی کو ایک ہفتہ گزر چکا تھا لیکن ابھی تک کسی نے اس قسم کا ذکر ہی نہیں چھیڑا تھا، زارا کی بھی یہی منشا تھی، دونوں سب کے سامنے نارمل ظاہر کرتے لیکن کمرے میں تنہائی ملتے ہی دونوں لفظی جنگ شروع کر دیتے تھے۔ زبیر احمد صدیقی اور آسیہ بیگم عذیر کی خاموشی پر مطمئن و پرسکون تھے، کشف تو زارا کے آ جانے سے بہت خوش تھی، پھر ایک دن اچانک

عذیر نے کراچی واپس جانے کا شور برپا کر دیا' سب کے منع کرنے کے باوجود بھی وہ رُکنے کے لیے رضامند نہیں ہو رہا تھا' جہاں اس کے فیصلے پر سب نے ناراضی کا اظہار کیا تھا وہیں زارا بھی حیران ہوئی تھی' زبیر احمد کے سمجھانے پر بھی وہ مان ہی نہیں رہا تھا۔

''بابا جان! آپ پلیز مجھے رُکنے پر مجبور مت کریں''۔

''تمہیں آئے ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے اور تم واپس جانے کی بات کر رہے ہو' کچھ تو خیال کرو' ابھی تمہاری شادی کو ایک ہفتہ بھی نہیں ہوا''۔

''بابا جان! میں مزید یہاں نہیں رہ سکتا' میں نے فیصلہ کر لیا ہے اور آپ جانتے ہیں میں اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹتا' سو بہتر یہی ہوگا کہ کوئی مجھے نہ روکے کیونکہ اب میں رُکنے والا نہیں''۔ وہ حتمی لہجے میں بولا' زارا جو وہاں سے اتفاقاً گزر رہی تھی اس کی آواز سن کر باہر دروازے پر ہی رُک گئی۔

''ٹھیک ہے اگر تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ لیکن میری ایک شرط ہے''۔ زبیر احمد توقف کے بعد بولے۔

''کیسی شرط؟''

''زارا بھی تمہارے ساتھ جائے گی''۔ وہ قطعیت سے بولے۔

''سوری بابا جان! میں اسے کیسے ساتھ لے جاؤں جبکہ میں اُسی کی وجہ سے ہی یہاں سے جا رہا' دیکھیں بابا جان! میں نے آپ کی خواہش پوری کر دی ہے اب آپ کو بھی میری خواہش پوری کرنی ہوگی' میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میں کسی سے شادی کا وعدہ کر چکا ہوں' سو اَب میں وہی وعدہ پورا کرنا چاہتا ہوں اور آپ مجھے وعدے کو نبھانے کی اجازت پہلے ہی دے چکے ہیں''۔ وہ کہہ رہا تھا جبکہ دروازے کی اوٹ میں کھڑی زارا کا وجود اپنی اس قدر تذلیل پر کرچی کرچی ہوا تھا' بھلے وہ عذیر سے نفرت کرنے لگی تھی لیکن شوہر جیسا بھی ہو اچھا یا بُرا کوئی بھی عورت اپنی زندگی میں سوتن کا آنا برداشت نہیں کر سکتی' تو پھر وہ کیسے اپنی زندگی میں سوتن کا وجود برداشت کر سکتی تھی اسی لیے نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں تھیں۔

''وہ سب تو ٹھیک ہے بیٹا! اگر تم کچھ دن تو رُک جاؤ' زارا کیا سوچے گی؟''

''بابا جان! مجھے اس کے سوچنے یا نہ سوچنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا اور ہاں اس سے کہہ دیجیے گا کہ میرے جانے کے بعد وہ جہاں رہنا چاہے رہ سکتی ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا''۔ وہ سفاک لہجے میں بولا۔

''تم واپس کب جا رہے ہو؟'' بیٹے کی سفاکیت پر انہوں نے تاسف سے اسے دیکھا پھر بات بدلی۔

''کل شام کی فلائٹ ہے''۔ وہ مختصراً بولا۔ زارا وہاں سے ہٹ کر کمرے میں چلی آئی' آنکھوں سے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے' چند دن پہلے جنم لینے والی نفرت پر برسوں پرانی محبت اچانک حاوی ہو چکی تھی مگر یہ محبت پرانی محبت سے کچھ جدا تھی' ایسی محبت جو خاموش تھی' جو دل سے دوبارہ پوچھے بنا ہی بیدار تو ہو چکی تھی لیکن پرانی بے لوث دبے ریا محبت کے ٹھکرائے جانے پر ملول سی تھی۔ وہ یکایک اٹھی اور آنکھوں کو بے دردی سے رگڑتی دروازے کے قریب گئی' پھر دراز میں سے کاغذ اور پین نکال کر کچھ سوچتے ہوئے لکھنے لگی' لکھنے کے بعد کاغذ لپیٹ کر ٹیبل پر رکھا اور خود عذیر کے آنے کا انتظار کرنے لگی' تھوڑی دیر بعد عذیر جیسے ہی کمرے میں داخل ہوا تو یکلخت زارا کو غصے نے آن گھیرا' بے اختیار طنزیہ لہجے میں بولی۔

''شادی سے انکار کا فیصلہ بھی تو تمہارا ہی تھا پھر تم اس فیصلے سے پیچھے کیوں ہٹے؟'' عذیر نے اس کی طرف متعجب نگاہوں سے دیکھا' پھر توقف کے بعد نارمل سے انداز میں بولا۔

''اوہ...... تو اس کا مطلب ہے کہ تم میری اور بابا جان کی باتیں سن چکی ہو؟''

''میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟'' زارا تلخ ہوئی۔

''اچھا...... میں نے تو کچھ سنا نہیں' ویسے کیا پوچھا ہے تم نے؟'' زارا کے انداز پر وہ مصنوعی نادانی سے استفسار کرنے لگا' مقصد صرف وصرف اسے غصہ دلانا تھا جس میں وہ کامیاب بھی ہوا تھا کیونکہ اس کی نادانی اور معصومیت کی وجہ سے دَر آنے والے غصے کو ضبط کرنے سے زارا صدیقی کے گال سرخی مائل ہو چکے تھے جبھی عذیر مزید بولا۔

''تم یہ مت سمجھنا کہ میں نے تم سے شادی اپنی خوشی سے کی ہے' اگر کشف درمیان میں نہ ہوتی تو میں ہاں ہرگز نہ کرتا اور جہاں تک فیصلے سے پیچھے ہٹنے کا سوال ہے تو وہ بھی صرف کشف کی خاطر میں نے اپنا فیصلہ بدلا ہے اگر کوئی......'' اس سے پہلے کہ عذیر مزید کچھ کہتا اس کا موبائل اپنی مخصوص آواز میں بول اٹھا' اپنی بات ادھوری چھوڑتے ہوئے اس نے موبائل نکال کر اسکرین پر نظریں دوڑائیں تو ملیحہ فراز کا نام جگمگاتا دیکھا تو ایک دم اس کے چہرے پر مسکراہٹ سمٹ آئی' فوراً یس کا بٹن پریس کیا اور موبائل کان سے لگایا' رسمی کلمات کے بعد عذیر نے زارا کو سنانے اور ستانے کے لیے اسپیکر آن کر دیا۔ لاؤڈ اسپیکر کے آن ہوتے ہی دوسری جانب سے ملیحہ کی دلفریب آواز گونجی تھی۔

''ارے بڑے ہی بے وفا ہو تم' مجال ہے جو ایک مرتبہ بھی فون کیا ہو''۔

''سوری مجھے یاد ہی نہیں رہا''۔ وہ شرمندہ ہوا۔

''کیا کہا' یاد ہی نہیں رہا' ایمان سے بڑے ہی جھوٹے ہو تم''۔ وہ ایک ادا سے بولی تو عذیر نے بے ساختہ قہقہہ کمرے کی فضا میں بلند کیا۔

''وہ کیسے؟'' پھر پوچھنے لگا۔

''وہ ایسے کہ یہاں تو کہہ کر گئے تھے کہ ساری چھٹیاں میرے سرپرائز کے متعلق سوچنے میں گزر جائیں گی اور اب کہہ رہے ہو کہ تمہیں یاد ہی نہیں رہا''۔ وہ جتانے والے مگر دوستانہ لہجے میں بولی۔

''ہاں تو سرپرائز کے متعلق کہا تھا تمہارے متعلق تھوڑی کہا تھا''۔ وہ شرارت سے بولا اور ساتھ ہی ایک نظر زارا پر ڈالی جو دوسری طرف رُخ کیے بیٹھی تھی جبکہ دھیان موبائل پر ہونے والی گفتگو پر لگائے ہوئے تھی۔

''سرپرائز کے متعلق سوچنا مطلب میرے متعلق سوچنا...... خیر اَب کیا بھی کیا جا سکتا ہے' ویسے تمہیں یاد ہے آج کیا دن ہے؟'' ملیحہ بات بدلتے ہوئے پوچھنے لگی۔

''Monday'' فوراً جواب دیا۔

''وہ تو ہے مگر آج کے دن کیا خاص بات ہے؟''

''خاص بات...... وہ بھی آج کے دن''۔ وہ ذہن پر زور دیتے ہوئے سوچنے لگا۔

''آئی ڈونٹ نو''۔ پھر کچھ یاد نہ آنے پر گویا ہوا۔

''اچھا آج تاریخ کیا ہے؟'' ملیحہ اس کے بھولنے پر پھر سے استفسار کرنے لگی۔

''آئی تھنک 25''۔

''25 تاریخ پر بھی تمہیں کچھ یاد نہیں آیا؟''

''سوری یار! مجھے واقعی کچھ یاد نہیں آ رہا''۔

''آر یو شیور؟'' اسے عذیر کی بے دھیانی پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

''آف کورس!'' وہ بولا' قریب بیٹھی زارا کا تن من آگ کا گولا بنا ہوا تھا۔

"اب مجھے سو فیصد یقین ہو گیا ہے کہ تم نے لاہور جا کر ایک مرتبہ بھی میرے بارے میں سوچنا گوارا نہیں کیا یا پھر ضروری ہی نہیں سمجھا جو اس طرح سب کچھ بھولے ہوئے ہو خیر اب میں ہی تمہیں بتائے دیتی ہوں' آج میرا برتھ ڈے ہے"۔ ملیحہ نے اسے یاد دلایا۔

"او...... آئی ریئلی ویری سوری' مجھے بالکل بھی یاد نہیں تھا' ایپی برتھ ڈے ٹو یو"۔ معذرت کرتے ہوئے وہ اپنائیت بھرے لہجے میں اسے وش کرنے لگا' اپنی پریشانی میں اسے کچھ یاد ہی کہاں رہا تھا۔

"تھینکس!" ملیحہ مسکرائی۔

"اچھا بتاؤ کیا گفٹ لو گی؟" عذیر نے پوچھا' زارا کا ضبط آخری حدوں کو چھو رہا تھا۔

"جو تم چاہو!"

"ٹھیک ہے تو پھر میں خود تمہارے لیے گفٹ لاؤں گا اور وہ بھی ایک دن بعد"۔ وہ بتانے لگا۔

"ایک دن بعد!" ملیحہ خاصی حیران ہوئی پھر بولی۔

"تم تو ایک مہینے بعد آنے والے تھے"۔

"اب تمہیں کیا بتاؤں کہ میں نے یہاں دو ہفتے بھی بڑی مشکل سے گزارے ہیں بلکہ یوں سمجھ لو کہ کانٹوں پر گزارے ہیں اور تم محترمہ ایک مہینے کا کہہ رہی ہو"۔ وہ زارا کو سنانے کے لیے باآواز بلند سرد آہ بھرتے ہوئے بولا تو ملیحہ بے ساختہ مسکرائی۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب کو چھوڑ و یار! مطلب میں کیا رکھا ہے' ہم آ رہے ہیں تم بس اسی میں مطلب رکھو"۔ وہ بات بدلتے ہوئے شاعرانہ انداز میں بولا اور Loud speaker آف کر دیا کیونکہ زارا غصے میں جلتی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی' اس کے جانے کے بعد عذیر نے الوداعی کلمات ادا کیے اور موبائل آف کر دیا۔

............☆☆☆............

"کیا ہے یہ محبت؟ کیوں ہوتی ہے یہ محبت؟ کیوں محبت اپنے قدردانوں کو آزمائش میں دھکیلتی ہے' آخر کیا ہے عذیر تم میں ایسا جو میرا دل تمہاری تمنا کرتا ہے؟ میرے جذبات و احساسات' میری محبت' میری چاہت' میری آرزوؤں' امنگوں میں کیا کمی دیکھی ہے تم نے جو کسی اور سے محبت کرتے ہو؟ اور میں پھر بھی تم سے محبت کرتی ہوں' شاید اسی کو بے لوث و بے ریا محبت کی نشانی کہتے ہیں' کیوں عذیر تمہیں میری آنکھوں میں اپنا عکس دکھائی نہیں دیتا؟" زارا مسلسل سوچے جا رہی تھی اور الجھتی جا رہی تھی۔

"تم نے مجھ سے بے وفائی کی ہے' میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی لیکن پھر بھی تم ہی ہو میرے اس دل میں' میری سوچوں' چاہتوں' میری شدتوں میں' میں تو تم سے نفرت کرنے لگی تھی پھر کیوں میرا دل تم ہرجائی کو دوبارہ چاہنے لگا ہے' آخر کیوں؟" تنگ آ کر زارا نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائی اور آنکھیں موند لیں' بہت سے سوالات دل و دماغ میں گردش کر رہے تھے اور وہ تھی کہ پتھر کا بت بنے سن دماغ کے ساتھ محبت میں ٹھکرائے جانے پر آنسو بھی نہ بہا سکی تھی' آنسو تو کہیں دور منجمد ہو چکے تھے اور وہ خود بھی رو دھو کر خود کو اس ہرجائی کے سامنے بے بس مجبور ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

آج شام کو عذیر کی فلائٹ تھی' زارا نے آسیہ زبیر کے کہنے پر اس کی پیکنگ کر لی تھی' صبح جب عذیر چچا سے ملنے گیا زارا بھی اس کے ساتھ گئی تھی' واپسی تک دونوں نے کوئی بات نہیں کی تھی البتہ کمرے میں داخل ہوتے ہی زارا کچھ یاد آنے پر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف بڑھی اور دراز سے تہہ شدہ کاغذ نکال کر اسے دینے لگی۔

"کیا ہے یہ؟" وہ زارا کے ہاتھ سے کاغذ لیتے ہوئے پوچھنے لگا۔

"اجازت نامہ!" جواباً وہ سپاٹ انداز میں بولی۔

"کس لیے؟" عذیر کاغذ کھول کر پڑھنے کے بجائے اس سے پوچھنے لگا انداز خلاف توقع نارمل تھا۔

"خود دیکھ لو"۔ وہ چہرے پر آئی شرارتی لٹ کو کان کے پیچھے لے جاتے ہوئے بولی' عذیر نے ایک طائرانہ نظر اس پر ڈالتے ہوئے کاغذ کو کھولا اور پڑھنے لگا' کاغذ پر ایک چھوٹی سی تحریر تھی۔

"میں زارا صدیقی اپنے ہوش و حواس میں اپنے شوہر عذیر احمد صدیقی کو دوسری شادی کی اجازت دیتی ہوں بشرطیکہ عذیر کی دوسری شادی کے بعد ہمارے درمیان صرف و صرف کاغذی رشتہ برقرار رہے گا' زارا صدیقی"۔

"وہاٹ از دِس؟" تحریر پڑھنے کے بعد اس کا غصہ حد سے زیادہ سوا ہوا تھا' کاغذ زارا کے چہرے پر پھینکتے ہوئے غصے سے پھنکارا۔

"چاہتی کیا ہو تم؟" عذیر سے غصہ ضبط کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"اس تحریر میں صاف ظاہر ہے کہ میں کیا چاہتی ہوں اور اگر پھر بھی تم جاننا چاہتے ہو تو سنو! میرے لیے نہ یہ شادی اہمیت رکھتی ہے اور نہ اس سے متعلقہ کوئی رشتہ اور نہ ہی مجھے اس سے کوئی فرق پڑتا ہے کہ تم دوسری شادی کرو گے' میری طرف سے تمہیں اجازت ہے تم جتنی شادیاں کرنا چاہتے ہو شوق سے کرو"۔ وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

"ایک بات تم میری بھی سن لو' اول تو مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن اب جبکہ تم نے خود مجھے اجازت دے دی ہے تو سنو! فی الحال تو نہ سہی لیکن جلد ہی میں تمہیں اپنی شادی کی خوش خبری سناؤں گا' تیار رہنا"۔ عذیر بھی پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہ تھا برجستہ بولا۔

"میں نے کہا نا کہ مجھے تمہاری دوسری شادی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا' سو تم بے فکر رہو میں تیار ہوں"۔ وہ سنجیدہ و مضبوط لہجے میں بولی لیکن اندر بہت کچھ نا چاہتے ہوئے بھی ٹوٹا تھا۔

"یہ تو وقت آنے پر ہی پتہ چلے گا"۔ وہ طنزیہ بولا' زارا بغیر کوئی جواب دیے کمرے سے نکل گئی۔ عذیر کے لیے اس کا ہر انداز عجیب تھا' کچھ دیر وہ کھلے دروازے کی طرف دیکھتا رہا پھر خود ہی سر جھٹکتا لیٹ گیا' شام کے وقت وہ سب سے مل کر گیا تھا سوائے زارا کے' اور جہاز میں بیٹھتے ہی اس نے اپنے دل و دماغ سے پچھلے تمام واقعات اور خاص طور پر زارا کو جھنجھوڑ کر باہر نکال دیا تھا تاکہ سفر آرام سے طے کر سکے۔

............☆☆☆............

کراچی ایئرپورٹ پر ملیحہ فراز اُسے ریسیو کرنے کے لیے آئی ہوئی تھی' ایئرپورٹ سے گھر تک کا سفر ملیحہ کی کمپنی میں بہت خوشگوار گزرا تھا اور اس دوران عذیر نے ایک مرتبہ بھی اسے اپنی شادی سے متعلق نہیں بتایا تھا۔

"ملیحہ!" عذیر نے کچھ یاد آنے پر اسے پکارا۔

"ہوں......"

"تم نے اپنے دھماکہ خیز سرپرائز کے متعلق کچھ نہیں بتایا"۔

"اتنی بھی کیا جلدی"۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"فی الحال صبر کرو"۔

"اب اور کتنا صبر کروں یار! پہلے ہی دو ہفتے بڑی مشکل سے گزارے ہیں"۔

"تقریباً ایک ہفتہ تو تمہیں مزید صبر کرنا ہی پڑے گا' مجبوری ہے"۔ وہ کہنے لگی۔

"چلو جیسے تمہاری مرضی"۔

"لیکن اس سے پہلے تم اپنے خطر سرپرائز کے متعلق تو بتاؤ"۔ ملیحہ یاد آنے پر اس سے پوچھنے لگی۔

"وہ......دراصل......وہ......" ملیحہ کے پوچھنے پر وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہوا' کچھ سمجھ نہ آیا کہ اسے کیا بتائے۔

"عذیر کیا ہوا؟" وہ عذیر کے انداز پر حیران ہوئی۔

"کچھ نہیں"۔ وہ فوراً در آنے والی گھبراہٹ چھپا گیا۔

"تو پھر بتاؤ جلدی سے"۔

"میں بھی تمہیں ایک ہفتے بعد ہی بتاؤں گا"۔ وہ ملیحہ کو ٹالتے ہوئے رُخ پھیر گیا' اب کے وہ بھی خاموش رہی۔

............☆☆☆............

عذیر کو کراچی آئے ہفتہ ہو چکا تھا' اس دوران اس نے جب بھی لاہور فون کیا اس کی زارا صدیقی سے بات نہیں ہو سکی تھی' آج اتوار تھا اور آفس سے بھی چھٹی تھی یونہی گھر میں بیکار بیٹھے بیٹھے اچانک دل نے چاہا کہ زارا کو ستایا یا تنگ کیا جائے ستانے کے خیال ہی سے سہی مگر آج لاہور سے آنے کے بعد پہلی مرتبہ اُسے زارا کا خیال آیا تھا' بہت دیر سوچنے کے بعد بالآخر اس نے گھر کا نمبر ملایا۔ فون کے پورے زور و شور سے چلانے پر کچن میں کام کرتی زارا نے ناچاہتے ہوئے بھی فون اسٹینڈ کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"ہیلو السلام علیکم!" ریسیور اٹھاتے ہوئے وہ مودب لہجے میں بولی' عذیر اس کی آواز پہچان گیا تھا سو اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سلام کا جواب دیئے بغیر حکمیہ لہجے میں بولا۔

"ماما کو فون دو!"

"گھر میں میرے سوا اور کوئی نہیں ہے' تمہیں جو کہنا ہے مجھ سے کہو میں تائی جان کو بتا دوں گی"۔ زارا اپنی اس قدر تذلیل پر تڑپ اٹھی تھی لیکن اس کے سامنے غصے پر قابو پاتے ہوئے سکون سے بولی۔

"کہاں ہیں باقی سب؟"

"تایا جان کہیں کام سے گئے ہیں جبکہ تائی جان اور کشف مارکیٹ گئی ہوئی ہیں"۔ اس نے بتایا۔

"کب تک واپس آئیں گے؟"

"مجھے علم نہیں ہے' البتہ تمہیں کوئی ضروری کام ہے تو مجھے بتاؤ میں انہیں بتا دوں گی"۔

"انہیں بتانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے' میں نے صرف تمہیں یہ بتانے کے لیے فون کیا ہے کہ انشاء اللہ ٹھیک تین دن بعد یعنی کہ بدھ والے دن میں شادی کر رہا ہوں"۔ اس نے زارا پر دھما کہ خیز انکشاف کرنے کی کوشش کی اور کچھ پل کو رُکا کہ شاید وہ کچھ بولے مگر دوسری جانب مکمل سکوت تھا' عذیر اس کی خاموشی پر طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ گویا ہوا۔

"ویسے تمہیں دُکھ تو ہوا ہوگا یہ سب سن کر مسز عذیر"۔

"غلط فہمی ہے تمہاری"۔ وہ فوراً بولی۔

"کیونکہ اگر مجھے ذرا برابر بھی دکھ ہوا ہوتا تو اس وقت میں تم سے بات نہ کر رہی ہوتی بلکہ ریسیور میرے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر پڑا ہوتا اور میں دھاڑیں مار مار کر رو رہی ہوتی جبکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے' میں اپنے ہوش و حواس میں رہ کر تم سے بات کر رہی ہوں اور جب میں نے اس رشتے کو دل سے قبول ہی نہیں کیا اور خود تمہیں دوسری شادی کی اجازت دی ہے تو پھر مجھے دکھی ہونے یا پھر رونے دھونے کی کیا ضرورت ہے' بہر حال مبارک ہو تمہیں"۔ وہ بظاہر بڑے آرام و سکون سے کہہ رہی تھی لیکن اس وقت اُس کے دل کی کیا حالت ہو رہی تھی یہ صرف وہی جانتی

تھی' اس کے باوجود بھی وہ بڑے دھیان سے اس لیے بول رہی تھی کہ کہیں ذرا سی بے دھیانی عذیر پر اس کے دل کا حال آشکار نہ کر دے۔ پھر بھی کچھ تو تھا اس کی باتوں میں ایسا کہ جسے عذیر نے محسوس کرتے ہوئے مزید بات کیے بناء لائن کاٹ دی تھی۔ زارا نے ریسیور کریڈل پر رکھا اور سیدھی کمرے میں چلی آئی اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور معاً اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر پڑی جہاں عذیر کی دلکش تصویر فریم میں آویزاں تھی' زارا کی آنکھوں سے بے اختیار موٹے موٹے آنسو اپنا رستہ بنائے نکلے' زارا نے ہاتھ بڑھا کر اس کی تصویر اٹھالی پھر آنکھوں کے سامنے لاتے ہوئے شکوہ کناں لہجے میں گویا ہوئی۔

"ایسا کیا ہے عذیر اس لڑکی میں جو تمہیں مجھ میں دکھائی نہیں دیا؟ کیا کمی تھی مجھ میں جو تم نے مجھے' میرے بے لوث پیار کو ٹھکرایا؟ کاش! تم ایک مرتبہ ہی سہی مگر میری محبت کو جان پاتے' میرے دل کی دھڑکن کو محسوس کر سکتے تو شاید تم جان پاتے کہ تم میرے لیے کیا ہو؟ لیکن میں تمہاری زندگی میں کوئی اہمیت نہیں رکھتی' تمہارے بغیر میری زندگی میری ذات بے معنی ہے' کاش! عذیر تم جان سکتے کہ میں تم بن ادھوری ہوں"۔ زارا اس کی تصویر کو سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی' مگر پھر سرعت سے تصویر کو قدرے فاصلے پر کرتے ہوئے دیوانگی سے بولی۔

"مگر میری ایک بات سن لو تم' تم صرف میرے ہو' تم کسی اور کے کبھی نہیں ہو سکتے عذیر! جلد یا بدیر تمہیں میرے پاس لوٹ کر آنا ہوگا' میری محبت میری زندگی اور میری ذات کو مکمل کرنے تمہیں ایک نہ ایک دن آنا ہی ہوگا اور مجھے یقین ہے تم ضرور لوٹ کر آؤ گے صرف اور صرف میرے لیے"۔ اور پھر زارا صدیقی نے تصویر کو اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

............☆☆☆............

"یار ملیحہ! ابھی تک تمہارا دوست آیا نہیں"۔ وہ ریسٹ واچ پر نظر دوڑاتے ہوئے بے زاری سے بولا تو ملیحہ ہنس دی۔

"ابھی آتا ہی ہوگا"۔

"پچھلے ایک گھنٹے سے تم یہی کہہ رہی ہو"۔

"جھوٹ تو نہیں کہہ رہی ہوں نا' وہ دیکھو آرہا ہے وہ"۔ عذیر کو دور سے آتا دیکھ کر وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ بولی تو اس کے ساتھ بیٹھے زوہیب خان نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا جب تک وہ ان کے قریب پہنچ چکا تھا۔

"السلام علیکم!" ملیحہ کے اشارے پر وہ چیئر پر بیٹھتے ہوئے مودبانہ انداز میں گویا ہوا۔

"وعلیکم السلام!" دونوں نے بیک وقت جواب دیا۔

"اتنی دیر کیوں لگادی آنے میں؟" ملیحہ نے پوچھا۔

"دراصل راستے میں گاڑی خراب ہو گئی تھی اسی وجہ سے دیر ہو گئی"۔

"اچھا بہانہ ہے"۔ اب کی بار زوہیب نے کہا جو دونوں کی گفتگو سن رہا تھا جبھی ملیحہ نے اپنے بھولنے پر سر پر ہاتھ پھیرا لیکن اس سے پہلے ہی عذیر پوچھ بیٹھا۔

"یہ کون ہیں؟"

"سوری......ویری سوری' میں تم دونوں کا تعارف کروانا ہی بھول گئی' زوہیب اِن سے ملو یہ عذیر ہے میرا بیسٹ فرینڈ اور عذیر اِن سے ملو یہ ہیں زوہیب خان' مائے فرسٹ کزن اینڈ......!"

"ابھی ہی سب کچھ بتا دو گی؟" ملیحہ کے مزید کچھ بتانے سے قبل زوہیب نے اُسے ٹوکا۔

"اوہ سوری......" وہ فوراً نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا گئی۔

"آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے"۔ زوہیب دوستانہ لہجے میں بولا' جواباً عذیر نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا۔

"عذیر! ہم دونوں نے سوچا ہے کہ کیوں نا آج تمہیں اس دھماکہ خیز سرپرائز کے متعلق بتایا جائے جس کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا اور جانتے ہو میں نے زوہیب سے کہا ہے کہ تم سب کچھ سننے کے بعد ضرور شاکڈ ہو گے لیکن زوہیب کے خیال میں ایسا ہو ہی نہیں سکتا' بہرحال سرپرائز یہ ہے کہ...... بتا دوں؟" اس نے رُک کر ایک شریر نظر سے عذیر کی طرف دیکھا جو بڑی محویت سے اُسے سن رہا تھا۔

"چلو بتا ہی دیتی ہوں لیکن پہلے تم یہ لو"۔ وہ پرس میں سے کارڈ نکالتے ہوئے عذیر کی طرف بڑھانے لگی۔

"یہ کیا ہے؟" کارڈ لیتے ہوئے عذیر نے حیرانگی سے پوچھا۔

"بتاتی ہوں صبر تو کرو' یہ انوی ٹیشن کارڈ ہے"۔

"انوی ٹیشن کارڈ مگر کس سلسلے میں؟" کارڈ دیکھے بغیر وہ ملیحہ سے استفسار کرے جا رہا تھا۔

"یہ تمہیں زوہیب بتائے گا"۔ وہ بولی۔ عذیر نے زوہیب خان کی طرف دیکھا۔

"او کے تو مسٹر عذیر! یہ انوی ٹیشن کارڈ میری اور ملیحہ کی شادی کا ہے اور جانتے ہو ملیحہ کی خواہش پر سب سے پہلے تمہیں انوائیٹ کیا گیا ہے تاکہ تم ہماری شادی کے ہر فنکشن میں پیش پیش رہو"۔ زوہیب خان دھیمی مسکراہٹ چہرے پر سجائے اسے بتائے جا رہا تھا جبکہ اس دھماکہ خیز سرپرائز نے واقعی عذیر کو شاکڈ کیا تھا' ایک لمحے کو تو اسے ایسا لگا جیسے اس کا وجود شدید قسم کے دھماکوں کی زد میں آ چکا ہو' اس بے یقین و غیر متوقع انکشاف کو سننے کے بعد اچانک عذیر کو اپنے اندر کسی چیز کے ٹوٹنے کی زوردار آواز سنائی دی تھی' اچانک ہی اسے اپنے سب خواب چکنا چور ہوتے دکھائی دینے لگے تھے' وہ شاکڈ نگاہوں سے ملیحہ فراز کو دیکھنے کے بعد ہاتھ میں پکڑے کارڈ کو ٹٹولنے لگا' ملیحہ اس کے حیران و پریشان چہرے کو دیکھتے ہوئے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ زوہیب خان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"زوہیب! میں نے کہا تھا نا کہ عذیر سب جاننے کے بعد ضرور شاکڈ ہو گا"۔

"بالکل بھئی' آج میں تم کو مان گیا"۔ زوہیب اسے داد دیتے ہوئے بولا۔ جبکہ عذیر ابھی تک اپنے ہوش و حواس میں نہیں لوٹا تھا' بس اس کا ذہن تو جیسے اس بات پر اٹک سا گیا تھا۔

"یہ انوی ٹیشن کارڈ میری اور ملیحہ کی شادی کا ہے!"

"ہوش میں آ جاؤ اب!" ملیحہ اسے گم صم دیکھ کر اس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ ہلاتے ہوئے بولی تو وہ جیسے ہڑبڑا کر سیدھا ہوا' کارڈ ہاتھ میں تھامے وہ اس انکشاف کو مذاق بھی نہیں گردان سکتا تھا' ملیحہ نے اس کا شاکڈ ہونا تو نوٹ کیا تھا البتہ اس کی آنکھوں میں مچلتے دکھ و کرب کو محسوس نہ کر سکی تھی' ایسا دکھ و کرب جو یکطرفہ محبت میں ناکامی کے احساس سے اُمڈ آیا تھا۔

"میں نے تو تمہیں اپنے سرپرائز کے متعلق بتا دیا ہے' اب تم بھی جلدی سے مجھے اپنے سرپرائز کے متعلق بتاؤ"۔ وہ مزید بول رہی تھی۔

"تم...... تم نے...... مجھ سے کچھ کہا؟" عذیر ابھی تک حواس باختہ تھا۔

"ارے بھئی کس دنیا میں گم ہو' لگتا ہے کچھ زیادہ ہی شاکڈ کر دیا ہے تمہیں اس سرپرائز نے"۔ زوہیب اس کے انداز پر شرارت سے بولا۔

"میں نے کہا اب تم بھی بتا دو اپنے سرپرائز کے متعلق"۔ وہ بولی۔ تب عذیر نے اپنی یکطرفہ محبت میں سب کچھ لٹتا دیکھ کر کچھ بھی چھپانا مزید مناسب نہ سمجھتے ہوئے اسے مختصراً اپنی شادی کا احوال سنا ڈالا لیکن اپنے انکار کے متعلق نہ بتا سکا' اس کے منہ سے شادی کا سننے کے بعد ملیحہ فراز کے ساتھ زوہیب خان بھی حیرانگی میں گھرا تھا' پھر ملیحہ نے شکایتی

نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"ارے بڑے بے وفا دوست ہو تم' شادی بھی کر لی اور ہمیں کانوں کان خبر بھی نہ ہونے دی اور ایک ہم ہیں کہ سب سے پہلے تمہیں بتانا ضروری سمجھا"۔ لب و لہجہ شکوہ کناں تھا۔

"آئی ایم رئیلی سوری' سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ میں اپنے کسی بھی دوست کو بتا ہی نہیں سکا' اینی وے اگین آئی ایم سوری"۔

"خیر جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا ہے لیکن اب تمہاری سزا یہ ہے کہ تم لاہور جا کر اپنی بیوی کو لاؤ گے کیونکہ اس کے بغیر تم شادی میں آئے تو خیر نہ ہو گی"۔ ملیحہ آخر میں تحکمانہ انداز میں بولی۔

"وہ...... وہ نہیں آ سکتی"۔ عذیر نے توقف کے بعد صاف انکار کیا۔

"کیوں بھئی اپنی شادی پر تو بلایا نہیں' چلو خیر ہے لیکن اب میں کوئی بھی بہانہ نہیں سننے والی' بھئی آخر کو ہم بھی تو ملیں اس خوش قسمت لڑکی سے جس نے ہمارے دوست کی زندگی میں شامل ہونے کا شرف حاصل کیا ہے اور ویسے بھی جو تمہاری بیوی ہے وہ میری بھابی بھی تو ہوئی' سو اب انکار کا کوئی جواز نہیں اٹھاؤ گے تم' سمجھے"۔

"اب میں پھر کیسے جا سکتا ہوں لاہور اسے لانے' مجھے یہاں آئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں"۔ عذیر نے اسے ٹالنے کی سعی کی مگر ناکام۔

"میں کچھ نہیں جانتی' یہ تمہاری سزا ہے کہ تم اپنی وائف کو ہماری شادی میں ضرور لاؤ گے ورنہ تمہاری انٹری بھی بند' انڈر اسٹینڈ؟" پھر خاصے تحکم بھرے انداز میں وارن کرنے لگی۔ جبکہ عذیر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہاں سے بھاگ جائے' ایک تو ملیحہ کی شادی اور اپنی بربادی کا سوچ کر وہ اندر ہی اندر کڑھ رہا تھا اور دوسرا ملیحہ کا بار بار زارا کا ذکر چھیڑنا اُسے مسلسل کوفت میں مبتلا کیے دے رہا تھا جس کے پیش نظر عذیر نے زارا کو لانے کی حامی بھر لی تھی۔

............☆☆☆............

"یہ ہو ہی نہیں سکتا' میری محبت کسی اور کی ہو جائے ایسا ممکن نہیں' ملیحہ کسی اور کی نہیں ہو سکتی وہ صرف و صرف میری ہے' عذیر زندگی میں کبھی کچھ کھو ہی نہیں سکتا' اس نے ہمیشہ پانا ہی سیکھا ہے پھر وہ اپنی محبت کو کیسے کھو سکتا ہے' میری محبت میں تو کوئی کمی' کوئی کھوٹ یا لالچ نہ تھی پھر میرے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ کیوں قسمت نے میرے ساتھ ایسا گھناؤنا مذاق کیا ہے؟ میں ملیحہ کے بغیر کیسے جی پاؤں گا؟ کیوں قسمت نے میرے جذبات و احساسات کو بے مول کیا؟ مجھے چاہتوں کے سفر میں تنہا' اکیلا کیوں کرنا چاہا"۔ گاڑی ڈرائیو کرتے وقت عذیر بڑی شدت سے سوچے جا رہا تھا کہ اچانک کسی خیال کے تحت جیسے اس کے حواس کو دھچکا سا لگا' اچانک گاڑی سڑک کنارے روک دی اور سر اسٹیئرنگ پر رکھ دیا' جبھی سوچیں دوبارہ سے آگے بڑھیں۔

"اور...... اور میں زارا کے سامنے بلکہ نہیں مجھے شاید اس کی بددعا لگی ہے' میں نے اسے اپنانے سے انکار کیا تھا' یقیناً اس نے مجھے بددعا دی ہو گی اسی لیے آج میرے ساتھ یہ سب کچھ ہوا ہے' یہ سب اُسی کی بددعا کا نتیجہ ہے"۔ عذیر نے آنکھیں موند لیں لیکن پھر جلد ہی کھول بھی دیں کیونکہ زارا کا چہرہ اس کی آنکھوں کے پردے پر گھومنے لگا' اسے زارا کی آواز اپنی سماعتوں سے ٹکراتی محسوس ہوئی۔

"میری محبت میری چاہت میں بھی تو کوئی کمی کوئی کھوٹ نہ تھی' پھر تم نے میرے ساتھ بے وفائی کیوں کی؟ کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا؟ کیوں میرے ارمانوں کو یوں بے دردی سے اپنے پیروں تلے کچلا کہ میری روح تک تڑپ اٹھی؟ جانتے ہو عذیر کہ محبت میں ٹھکرائے جانے کا دکھ کیا ہوتا ہے مگر تم کیا جانو تم نے تو خود کسی کی محبت کو بڑی بے

دردی سے سفا کی سے ٹھکرایا ہے تبھی تو تمہارے ساتھ آج تقدیر نے وہی کھیل کھیلا ہے جو تم نے میرے ساتھ کھیلا تھا بلکہ اب بھی کھیل رہے ہو‘ تمہارے ساتھ آج بہت اچھا ہوا ہے میں بہت خوش ہوں‘ یہی الفت کے تقاضے ہیں‘ اگر تم کسی کی محبت کو ٹھکراؤ گے تو تمہاری محبت کو بھی کوئی قبول نہیں کرے گا‘‘۔ زارا کی آواز اسے کرب میں مبتلا کرنے لگی‘ توقف کے بعد پھر اس کی تمسخرانہ آواز گونجی۔

’’تم تو وہ بدنصیب شخص ہو جو پانی کے ہوتے ہوئے بھی پیاسا ہے‘ عذیر تم وہ بدنصیب ہو جو محبت کے قریب ہوتے ہوئے بھی نفرتوں کی طرف بھاگ رہا ہے‘ جسے اب زبردست مات کے بعد نفرت اپنے مضبوط شکنجے میں لے چکی ہے جس سے اب محبت کوسوں دور ہے‘ ویسے کیا ملا تمہیں؟‘‘

’’شٹ اپ!‘‘ زارا کی آواز اس کا کلیجہ چھلنی کر رہی تھی‘ اب برداشت کی سکت مجتمع کرنے کی ناکام کوشش میں وہ صرف چلا سکتا تھا مگر وہ آواز آج رُکنے والی نہ تھی۔

’’یہ دنیا مکافاتِ عمل کے گرد چکر کاٹ رہی ہے‘ تم نے جانے انجانے میں میرے دل کی نگری کو اجاڑا ہے اور اب دیکھ لو تمہارے دل کو بھی جانے انجانے میں کسی کے ہاتھ زبردست چوٹ لگی ہے‘‘۔

’’بند کرو اپنی بکواس!‘‘ عذیر کا بس نہیں چل رہا تھا کہ زارا کی آواز کو دبا ڈالے‘ وہ پہلے سے پریشان و بے قرار تھا اوپر سے زارا کی باتیں اس کے دل کی بے قراری و اضطراب کو مزید بڑھا گئی تھیں‘ سر شدتِ درد سے پھٹے جا رہا تھا‘ آہستہ آہستہ اس کے ہوش بھی محو ہوئے جا رہے تھے۔

’’محبتوں کے سفر میں اب تم ساری عمر تنہا رہو گے عذیر! تمہارے چاہنے پر بھی تم محبت کو حاصل نہیں کر پاؤ گے‘ یاد رکھنا میری بات‘‘۔ ایک مرتبہ پھر زارا کی آواز گونجی تو عذیر نے زور زور سے سر کو جھٹکنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی کانوں پر ہاتھ رکھ دیئے تاکہ دوبارہ اس کی آواز نہ سن سکے۔

............☆☆☆............

اگلا پورا ہفتہ اس نے شدید ذہنی کوفت میں گزارا تھا اور اس دوران ایک مرتبہ بھی ملیحہ سے یا گھر میں کسی سے رابطہ نہیں کیا تھا‘ شاید محبت میں ناکامی نے اسے اندر تک توڑ پھوڑ ڈالا تھا‘ اس دوران وہ آفس بھی نہیں گیا تھا‘ پھر ایک دن بہت سوچنے بہت سمجھنے کے بعد ایک حیران کن انکشاف اسے اپنی ذات پر کھلتا محسوس ہوا تھا‘ وہ جان گیا تھا کہ ملیحہ جسے وہ اپنے خوابوں کی شہزادی سمجھتا تھا وہ اس کے دل میں بنی تصویر میں کبھی پنہاں تھی ہی نہیں‘ تصویر والا دھندلا چہرہ ملیحہ فراز کا نہیں بلکہ کسی اور کا تھا‘ ملیحہ کی طرف اس کا بڑھنا محبت نہیں محض دوستی تھی جسے وہ جانے انجانے میں پیار سمجھ بیٹھا تھا اور اب دل میں موجود تصویر میں پنہاں چہرہ بالکل صاف شفاف ہو کر اس کے سامنے واضح تھا اور وہ چہرہ کسی اور کا نہیں بلکہ زارا کا تھا اور یہ انکشاف اس کے لیے بہت حیران کن تھا۔

جانے وہ زارا کو کب سے چاہتا چلا آ رہا تھا لیکن محض قریب ہونے کی بناء پر وہ اس کے لیے اپنی چاہت کو پہچان نہیں سکا تھا‘ اس حیرت انگیز مگر خوشگوار انکشاف کے بعد اس نے زیادہ تر اپنی سوچوں کا محور زارا کو ہی پایا تھا‘ عذیر جتنا اسے سوچتا اتنا ہی زارا کے لیے محبت بڑی شدت سے اس کے دل میں بیدار ہوتی چلی جاتی‘ اپنی تمام تر شدت و طاقت کے ساتھ۔

پیار کی ننھی منی کونپلیں اس کے چہار سو بکھر چکی تھیں‘ آہستہ آہستہ تمام کربِ الفت کے نئے سفر کے آغاز میں ہی کہیں غائب ہو چکا تھا‘ لیکن شاید اب اس کے لیے یہ الفت کا سفر نہایت دشوار تھا‘ اپنے اور زارا کے درمیان پچھلی تمام ملاقاتوں‘ باتوں اور اس دوران بڑھتی رنجشوں کا مٹانا اسے مشکل بلکہ ناممکن دکھائی دے رہا تھا مگر وہ دل سے ارادہ

کر چکا تھا تمام کثافتوں‘ رنجشوں اور تمام نفرتوں کو مٹانے کا۔ ملیحہ کے یاد دلانے پر اس نے لاہور فون کر کے اپنی آمد کا بتا دیا تھا اور اب وہ ایئرپورٹ کے باہر کھڑا انتظار کر رہا تھا مگر ایک دو گھنٹے گزرنے کے باوجود بھی جب کوئی اسے پک کرنے نہ آیا تو وہ عجیب وسوسوں کے ساتھ ٹیکسی کے ذریعے گھر کی طرف روانہ ہوا‘ گھر میں بھی کوئی سامنے موجود نہ تھا‘ جس پر وہ خاصا حیران ہوا تھا‘ کچھ دیر مزید حیران پریشان کھڑے رہنے کے بعد وہ زبیر احمد صدیقی کے کمرے کی جانب بڑھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتا کمرے سے آتی آوازوں پر وہ باہر ہی کھڑا ہو گیا۔

’’تم اسے فون کر کے بتا دو اب اُسے یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے‘ اس کے بغیر بھی ہم رہ سکتے ہیں‘‘۔ زبیر احمد صدیقی بڑے غصے میں تھے۔

’’اب تو وہ آ رہا ہے‘ آپ پلیز پریشان نہ ہوں یہ سب ٹھیک ہو جائے گا‘‘۔ آسیہ بیگم بولیں۔

’’کچھ بھی ٹھیک نہیں ہونے والا‘ بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے وہ اس گھر میں دوبارہ نہیں آئے گا‘ اسے دو مہینوں میں ذرا بھی ہمارا خیال نہ آیا اور شادی کر کے تو جیسے بیوی کو بھول ہی گیا ہے کہ اس کے بھی کچھ حقوق ہیں‘‘۔ ان کا غصہ بالکل بھی کم نہیں ہوا تھا اور باہر کھڑا عذیر ان کی باتوں کو بالکل بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا‘ کچھ دیر تو وہ باہر حیران پریشان کھڑا رہا پھر سرعت سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور کمرے میں داخل ہو گیا اور کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے جو منظر دیکھنے کو ملا تھا وہ یقیناً اُسے حیرت میں مبتلا کر گیا‘ پورا کمرہ خوبصورتی سے سجا ہوا تھا‘ سب افراد آرام و سکون سے صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے اور سامنے پڑی ٹیبل پر ایک بڑا سا کیک پڑا ہوا تھا‘ عذیر کو حیران دیکھ کر سب نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

’’یہ سب کیا ہے؟‘‘ وہ سب سے ملنے کے بعد پوچھنے لگا۔

’’بھیا! یہ سب ہماری پلاننگ تھی آپ کو بے وقوف بنانے کی تاکہ بابا جان اور ماما کی شادی کی تیسویں سالگرہ کو یادگار بنایا جائے لیکن آپ نے جلد بازی دکھاتے ہوئے ڈراپ سین سے پہلے ہی انٹری دے ڈالی‘‘۔ کشف نے بتایا۔

’’اچھا تو آپ سب مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں‘ ویسے ایک بات ہے میں واقعی پریشان ہو گیا تھا کہ نجانے کیا بات ہے‘ اینی وے ماما‘ بابا جان آپ دونوں کو بہت بہت مبارکباد‘‘۔ وہ اُن کے گلے لگتے ہوئے بولا‘ پھر کچھ دیر ان کے پاس بیٹھنے کے بعد آرام کی غرض سے اٹھا‘ زارا وہاں موجود نہیں تھی‘ عذیر نے اس کی کمی شدت سے محسوس کی‘ متلاشی آنکھیں چہار سو پھیلائیں‘ کمرے میں بھی گیا مگر وہ وہاں بھی نہ تھی‘ اسے دیکھنے کی چاہ میں عذیر آرام کا خیال بھی ترک کرتے ہوئے اسے ڈھونڈتا کچن کی طرف چلا گیا جہاں کشف چائے بنا رہی تھی۔

’’زارا نظر نہیں آ رہی‘ کہاں ہے وہ؟‘‘ اس نے پوچھا‘ لہجے میں زارا کے لیے اپنائیت واضح تھی جسے کشف نے بھی محسوس کیا تھا‘ اسی لیے چہرے پر مسکان لاتے ہوئے شرارت سے بولی۔

’’خیر تو ہے بھیا! آج بھابی کا خیال کیسے آ گیا آپ کو؟‘‘

’’بھئی بیوی ہے وہ میری‘ دیر سے ہی سہی کبھی نہ کبھی تو مجھے اس کا خیال آنا ہی تھا‘‘۔ وہ بھی شوخی سے بولا‘ کشف کو عذیر کا زارا کے لیے یہ انداز اچھا لگا تھا‘ پھر وہ مزید بولا۔

’’تم نے بتایا نہیں کہاں ہے وہ؟‘‘

’’زارا اپنے میکے گئی ہوئی ہے‘‘۔ اس نے اطلاع پہنچائی۔

’’کیوں‘ میرا مطلب ہے کب گئی ہے وہ؟‘‘ وہ حیران ہوا تھا کیونکہ آنے سے قبل اس نے خاص تاکید کی تھی کہ وہ گھر میں ہی رہے۔

’’آپ کے آنے سے کچھ دیر پہلے‘‘۔

”کیا کہہ کر گئی ہے؟“ عذیر کا لہجہ یکلخت ہی تلخ ہوا تھا۔

”یہی کہ جب آپ واپس جائیں گے وہ بھی واپس آ جائیں گی“۔ کشف بے حد سنجیدہ ہوئی جبکہ وہ حیران‘ پھر وہ عذیر کی طرف دیکھتے ہوئے تاسف سے بولی۔

”بھیا! آپ زارا کے ساتھ بالکل بھی اچھا نہیں کر رہے‘ وہ بہت اچھی ہے‘ آپ سے بہت محبت کرتی ہے لیکن آپ نے کبھی اس کی محبت کو محسوس کرنے کی کوشش ہی نہیں کی“۔

”ہوں...... جانتا ہوں“۔ وہ آہستگی سے بولا۔

”اور ہاں ایک اور بات‘ آپ دوسری شادی کیوں کر رہے ہیں؟“ کشف کو جیسے ہی یاد آیا موقع ضائع کیے بغیر پوچھنے لگی۔

”تم سے کس نے کہا کہ میں دوسری شادی کر رہا ہوں؟“ اس کے اچانک استفسار پر عذیر نے چونک کر الٹا اُسی سے سوال کیا۔

”دراصل جب آپ زارا کو دوسری شادی کے متعلق بتا رہے تھے تو میں نے سن لیا تھا“۔

”لیکن جہاں تک میرا خیال ہے اُس دن وہ گھر میں اکیلی تھی“۔ عذیر ذہن پر زور دیتے ہوئے بولا۔

”ہاں مگر کام جلد ہو جانے کی وجہ سے میں اور ماما جلد ہی واپس آ گئے تھے‘ میں نے اپنی سہیلی کو فون کرنے کے لیے ریسیور اٹھایا تو آپ دونوں باتیں کر رہے تھے‘ ویسے میں نے ابھی تک کسی کو نہیں بتایا آپ کی دوسری شادی کرنے کے متعلق“۔ آخر میں وہ سرگوشیانہ انداز میں بولی۔

”بہت بُری بات ہے دوسروں کی باتیں سننا“۔ وہ مصنوعی غصے سے اسے ڈانٹنے لگا پھر مزید بولا۔

”اور اب کوئی ضرورت نہیں ہے کسی کو بتانے کی کیونکہ میں نے کوئی دوسری شادی نہیں کی“۔

”بھیا! ایک بات کہوں؟“ جبھی وہ بولی۔

”ہاں کہو“۔

”بھیا! آپ زارا کو میرا مطلب ہے کہ آپ پلیز دوسری شادی مت کریے گا‘ زارا بہت اچھی ہے آپ اسے قبول کر لیں“۔

”تم بے فکر ہو جاؤ‘ میں کوئی دوسری شادی نہیں کرنے والا‘ میرے لیے تم سب کی اور زارا کی محبت ہی کافی ہے اور تم جانتی ہو میں یہاں صرف زارا کو لینے آیا ہوں“۔ وہ خوشگواری سے بولا۔

”سچ بھیا!“ وہ خوشی سے اُچھلی۔

”ہاں“۔ عذیر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کشف کے سر پر پیار بھری ہلکی سی چپت لگائی پھر اسے چائے کا کہہ کر کچن سے نکل گیا۔

............☆☆☆............

آسیہ بیگم کو بتا کر وہ زارا کو لینے چلا گیا‘ سب کے لیے اس کا نیا روپ بہت حیران کن مگر خوشگوار تھا‘ خاص طور پر زارا کو کراچی ساتھ لے جانے والی بات نے زبیر احمد صدیقی کو خاصا اطمینان بخشا تھا‘ چچا جان اور چچی سے مل کر اس نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا اور پھر ان سے اجازت لیتا زارا کے کمرے کی جانب بڑھ گیا‘ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو زارا کو کھڑکی سے باہر دیکھتے پایا‘ وہ شاید عذیر کی آمد سے بے خبر تھی‘ عذیر کی جانب پشت کیے وہ بڑی محویت سے کچھ سوچے جا رہی تھی‘ وہ چند قدم آگے بڑھا تو اس سے ذرا فاصلے پر ہو گیا‘ اسے اپنی آمد سے باخبر کرنے کے لیے

لب وا کرنے چاہے مگر پھر کسی ارادے کے تحت چپ ہی رہا اور بڑے غور سے اسے دیکھنے لگا پھر آہستگی سے ہاتھ بڑھا کر اس کے کمر تک لہراتے کالے سیاہ بالوں کو ہلکے سے ٹچ کیا اور پھر ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

وہ ابھی تک اس کی موجودگی سے بے خبر و انجان گہری سوچ میں گھری تھی‘ عذیر اسے اپنے ہونے کا احساس دلانے کے لیے قدرے توقف کے بعد کھنکارا تو وہ جیسے بوکھلا کر ہوش کی دنیا میں لوٹی لیکن پیچھے مڑ کر نہ دیکھا‘ وہ تھوڑا آگے بڑھا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دوبارہ گلا کھنکارا‘ اب کے وہ سرعت سے پلٹی‘ دونوں کے درمیان فاصلہ بہت کم تھا‘ اس نے پیچھے ہٹنا چاہا مگر دیوار کے سبب وہ اپنی جگہ سے ہل نہ سکی‘ عذیر اس کی حرکت پر دھیرے سے مسکرایا‘ پھر یکلخت ہی ہونٹ بھینچ کر اس کی خوبصورت براؤن آنکھوں کی سمت دیکھنے لگا جو اپنے اطراف میں سحر پھیلائے مقابل کو زیر کرنے کے لیے مچل رہی تھیں‘ عذیر نے پہلی مرتبہ غور سے اس کا معائنہ کرنا چاہا‘ گوری چٹی رنگت پر پنک ہونٹ بہت جچ رہے تھے اور اس کے چہرے کی خوبصورت کو دگنا کر رہے تھے‘ عذیر کچھ پل بغور اسے دیکھتا رہا پھر دایاں ہاتھ اس کے من موہنے مکھڑے کی جانب لے جاتے ہوئے آگے بڑھایا‘ اب کے دونوں کے درمیان فاصلہ برائے نام تھا‘ زارا سے مزید عذیر کا قرب برداشت نہ ہوا تو اسے دونوں ہاتھوں سے پرے کرتے ہوئے غصے سے پھنکاری۔

”یہ کیا بدتمیزی ہے‘ اپنی حد میں رہو“۔

”شش......!“ عذیر نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا‘ وہ حیران ہوئی‘ عذیر کو اس وقت کچھ ہوش نہ تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

”ہٹو پیچھے“۔ زارا دھیمے لفظوں میں چلائی‘ یکدم وہ اپنے حواس میں لوٹا‘ خود پر تھوڑی دیر پہلے چھائے فسوں خیز سحر کو اس نے ایک لمحے میں خود سے جدا کیا‘ پھر بعد میں خود کو نارمل ظاہر کرتے ہوئے سخت مگر غصیلے لہجے میں بولا۔

”جب میں نے تم سے کہا تھا کہ میرے آنے پر تم گھر میں ہی رہنا تو پھر تم یہاں کیوں آئیں؟“ زارا کو اس کے یکا یک بدلتے رویے پر مزید حیرانی ہوئی‘ وہ عذیر کے لہجے کی درشتگی سے نا چاہتے ہوئے بھی سہم گئی لیکن خود کو اس کے سامنے مضبوط و نڈر ظاہر کرتی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

”تمہارا کیا خیال ہے کہ تم روکو گے اور میں رُک جاؤں گی‘ نو نیور‘ تمہیں یاد ہوگا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ تمہاری دوسری شادی کے بعد ہمارے درمیان صرف وصرف کاغذی رشتہ ہوگا“۔

”سو وہاٹ“۔

”سو وہاٹ؟“ وہ تمسخرانہ مسکرائی۔

”تم اپنے ذہن سے اس خوش فہمی کو نکال باہر کرو کہ میں تمہاری کوئی بات مانوں گی“۔ وہ دوٹوک بولی۔

”تم بھی اپنے ذہن سے اس بات کو نکال باہر کرو کہ میں تمہاری اس حرکت اور بدتمیزی کو نظرانداز کر کے خاموش رہوں گا“۔ عذیر بھی اسی کے انداز میں کہتا آگے بڑھا‘ اشارہ اس کے انداز گفتگو کی طرف تھا‘ پھر زارا کی نازک کلائی کو ہاتھ کی مضبوط گرفت میں لیتے ہوئے تحکمانہ انداز میں چلایا۔

”چلو میرے ساتھ“۔

”چھوڑو مجھے!“ زارا نے اپنی کلائی چھڑانے کی ناکام کوشش کی۔ عذیر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے طنزیہ مگر دھیمے لہجے میں کہا۔

”میں یہاں تمہاری کوئی بکواس سننے نہیں آیا‘ تمہیں ابھی اور اسی وقت میرے ساتھ چلنا ہوگا ورنہ بصورت دیگر

نتائج کی ذمے دار تم خود ہوگی"۔

"میں کہیں نہیں جانے والی، تمہیں جو کرنا ہے کرلو اور ہاں میں تمہاری اس فضول سی دھمکی سے نہیں ڈرنے والی"۔ وہ خود کو لاپروا ظاہر کرتے ہوئے اٹل انداز میں بولی جبکہ حقیقتاً وہ دل ہی دل میں اس کے غصے سے گھبرا گئی تھی، عذیر اس کے انداز پر ہنسا اور ہنستا ہی چلا گیا، زارا کا ہر لفظ ہر انداز اسے محظوظ کر رہا تھا۔

"میں اپنی "فضول" دھمکی پر عمل بھی کرسکتا ہوں"۔ وہ فضول پر زور دیتے ہوئے بولا اور ساتھ ہی اس کی کلائی ایک جھٹکے سے چھوڑ دی، پھر مزید بولا۔

"تم مجھے زبردستی کرنے پر مجبور مت کرو تو ہی تمہارے لیے اچھا ہے، میں نیچے تمہارا انتظار کر رہا ہوں، 10 منٹ کے اندر اندر نیچے چلی آنا ورنہ......" وہ آرام سے کہتا اپنی بات ادھوری چھوڑ کر باہر نکل گیا، اس کے جانے کے بعد زارا چند ثانیے بند دروازے کو دیکھتی رہی پھر نجانے اس کے من میں کیا آئی کہ اٹھ کر سامان پیک کرنے لگی، سامان کی پیکنگ کے بعد آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر ایک طائرانہ نظر اپنے وجود پر ڈالی، بال سیٹ کیے، کمرے سے نکل کر سیڑھیاں اترتے وقت اس کی نگاہ عذیر پر پڑی جو ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ سجائے اسی کی طرف دیکھ رہا تھا، زارا کو آتا دیکھ کر جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا، پھر دونوں چچا جان اور چچی جان سے ملنے کے بعد اجازت لیتے گاڑی میں آ بیٹھے، رات کافی پھیل چکی تھی گھر تک کا فاصلہ دونوں نے بڑی خاموشی سے طے کیا، کچھ وقت تمام فیملی ممبرز کے ساتھ بیٹھ کر گزارا مگر کمرے میں داخل ہوتے ہی عذیر نے دروازہ لاک کرنے کے بعد اس کی طرف طنز کا تیر اچھالا۔

"تو مس زارا صدیقی! تم ڈر گئیں میری فضول سی دھمکی سے، ہے ناں؟"

"کافی خوش فہمیاں پال رکھی ہیں تم نے اپنے دل و دماغ میں، میں تمہاری دھمکی کے ڈر سے نہیں بلکہ اپنے والدین کی وجہ سے چلی آئی ہوں، اگر مجھے ان کی پرواہ نہ ہوتی تو میں تمہارے ساتھ یوں نہ آتی"۔ وہ برجستہ بولی۔

"بہرحال جو بھی ہو ایک بات تو واضح ہے، ماں باپ کی خاطر ہی سہی لیکن تم میری کسی بات سے انکار نہیں کرسکتیں، میرے کسی حکم کے خلاف نہیں جاسکتیں"۔

"اوہ شٹ اپ!" وہ اسے ٹوک گئی۔

"اتنی خوش فہمیاں اچھی نہیں ہوتیں"۔

"یو شٹ اپ، اگر یہ میری خوش فہمیاں ہیں تو خوش فہمیاں ہی سہی، میں تم سے زبردستی سب کچھ کروا سکتا ہوں، تمہارے انکار کے باوجود، کسی بھی بات سے روک سکتا ہوں مگر تم مجھے کسی بھی معاملے میں نہیں روک سکتیں، چاہنے کے باوجود بھی"۔ عذیر خاصے چیلنجنگ انداز میں کہتا آگے بڑھا۔

"مثلاً؟" زارا صدیقی کے منہ سے بے اختیار نکلا، اس نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔

"مثلاً......" ساتھ ہی سوچنے کی ایکٹنگ کے ساتھ اس کے قریب ہوا۔

"مثلاً یہ کہ تم مجھے کاغذی رشتے کی حدود سے آگے بڑھنے سے نہیں روک سکتیں"۔ عذیر کی آنکھوں میں وحشت طاری ہوتی جا رہی تھی۔

"خبردار......" وہ اس کی بات کا مفہوم جان کر بوکھلا کر پیچھے ہٹتے ہوئے دھیمے لفظوں میں چلائی۔

"پیچھے ہٹو!"

"ہاہاہا...... میں نے کہا ناں تم مجھے نہیں روک سکتیں"۔ اس کی آنکھوں میں دیوانگی بڑھتی جا رہی تھی۔

"خبردار! میرے نزدیک مت آنا، مجھے ہاتھ مت لگانا"۔ زارا کا جسم خوف سے کانپنے لگا، عذیر بغیر کچھ سنے پروا کیے

بنا، اگلے چند ہی لمحوں میں زارا کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا، کچھ پل تو زارا نے اپنے نازک وجود کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی ناکام کوشش کی پھر مایوس ہو کر خود کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جبکہ وہ مکمل طور پر اس کے سحر میں کھو چکا تھا۔

............☆☆☆............

زارا صدیقی دو دن سے مسلسل تیز بخار میں تپ رہی تھی، سب کے بہت کہنے کے باوجود بھی وہ ہاسپٹل جانے کے لیے تیار نہیں ہوئی اور اس دوران عذیر بھی پرسوں رات والے واقعے کے بعد اس کے سامنے نہیں آیا تھا، شرمندگی و ندامت اسے زارا کے سامنے جانے سے روک رہی تھی، اپنی حرکت پر اسے افسوس ہوا تھا، جہاں دو دن سے وہ مسلسل بخار میں پھنک رہی تھی وہیں وہ بھی خاصا پریشان تھا، خود پر حیران تھا کہ اس پر ایسی کون سی وحشت طاری ہوگئی تھی کہ وہ کچھ لمحوں کے لیے ہی سہی اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا، وہ جتنا اس دن کے واقعے کے متعلق سوچتا کوفت میں مبتلا ہوتا جاتا، اس کا ضمیر ہر وقت لعنت ملامت کرتا اُسے شرمسار کیے جاتا۔

اگلا پورا ہفتہ بڑی تیزی سے گزرا تھا، اس دوران عذیر بالکل خاموشی سادھے ہوئے تھا البتہ زارا اس کی طرف اٹھتے بیٹھتے طنز کا تیر چلاتی جس پر اسے غصہ تو بہت آتا مگر ضبط کر جاتا، زارا کو اس کی خاموشی مزید اشتعال انگیز کر دیتی، عذیر چاہتے ہوئے بھی اس سے کراچی جانے کی بات نہ کرسکا کیونکہ اس کے سامنے جاتے ہی وہ شرمندگی میں ڈوب جاتا، اس کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت دیکھ کر کچھ بھی بول نہ پاتا، لہٰذا اس نے ملیحہ کے دوبارہ یاد کرانے پر کشف کے ذریعے اس تک پیغام بھیجا تو اس نے جانے سے صاف انکار کر دیا اور سختی سے اسے منع کر دیا کہ دوبارہ اس کے سامنے اس موضوع پر بات نہ کی جائے لیکن پھر سب کے فورس کرنے پر وہ مزید انکار نہ کرسکی اور ہاں کہہ دی، کل ان کی فلائٹ تھی، جب وہ سامان پیک کر رہی تھی عذیر کمرے میں داخل ہوا۔

"جب کراچی میں تمہاری "دوسری بیوی" موجود ہے تو پھر مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا کیا مقصد ہے"۔ زارا سے دیکھتے ہوئے طنزیہ لہجے میں بولی۔

"مقصد...... ہاہاہا، ارے مقصد ہے تو تب ہی تمہیں لے جا رہا ہوں ناں"۔ عذیر جو کافی دنوں سے اس کے طنزیہ رویے کو برداشت کر رہا تھا آج ضبط کے باوجود بھی پھٹ پڑا، لہجے میں تمسخرانہ مسکراہٹ نمایاں تھی۔

"میں جاننا چاہوں گی تمہارے مقصد کو"۔ زارا اس کی طرف زہر آلود نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔ وہ آرام سے بولا۔

"ضرورت اور مجبوری سمجھتی ہو تم، بس اسی ضرورت کی وجہ سے تمہیں لے جانا پڑ رہا ہے کیونکہ میری دوسری بیوی شہربانو اپنی فیملی کے ساتھ اپنے کسی رشتہ دار کے ہاں گئی ہوئی ہے جس کی وجہ سے مجبوراً اس کی غیر موجودگی میں تمہیں لے جا رہا ہوں اپنے ایک دوست کی شادی میں، اگر شہربانو کراچی میں ہی ہوتی تو میں تمہیں ہرگز لینے نہ آتا"۔ وہ ہنوز اُسی انداز میں بولا، زارا صدیقی کے چہرے پر شہربانو کے ذکر کے ساتھ ہی خطرناک تاثرات ابھرے تھے جنہیں دیکھتے ہی عذیر نے خود کو فرضی کہانی بنانے پر دل ہی دل میں شاباش دی لیکن پھر اچانک ہی دل میں موجود زارا کی محبت کے احساس نے اُسے بُری طرح شرمندہ کیا۔

"کیا ہو گیا ہے مجھے؟ کیوں میں زارا سے اس طرح بات کرتا ہوں؟ آخر میں اُسے بتا کیوں نہیں دیتا کہ میں نے کوئی دوسری شادی نہیں کی، ہاں یہ درست ہے کہ میں نے ایسا سوچا ضرور تھا لیکن ملیحہ کی شادی کا سن کر میں نے اپنے من کو پوری طرح جھنجھوڑا، اپنے دل کی دھڑکن کو محسوس کیا جس میں صرف و صرف زارا صدیقی کا نام ہے، شاید میرے دل کی دھڑکن کے دھڑکنے کا مقصد ہی زارا ہے، زارا ہی میری محبت ہے پہلی و آخری محبت، جسے میں محض

نزدیک ہونے کی وجہ سے جان نہ سکا تھا لیکن اب میں زارا کو بتا دوں گا کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں شدید محبت''۔ وہ دل ہی دل میں خود سے مخاطب ہوا۔

''زارا......!'' اپنے اردگرد نظر دوڑاتے ہوئے وہ اسے پکارنے لگا مگر تب تک وہ وہاں سے جا چکی تھی۔

............☆☆☆............

عذیر، ملیحہ کو اپنی آمد کی خبر دیئے بغیر ہی چلا آیا تھا' وہ تو ملیحہ کو اس کا کراچی آنے کے متعلق تب پتہ چلا جب اس نے عذیر کو فون کرنے پر پوچھا' وہ اس سے ناراض بھی ہوئی لیکن عذیر نے اسے منا لیا تھا یہ کہتے ہوئے کہ جلد ہی وہ زارا کو ساتھ لیے آئے گا اور آج ملیحہ کی شادی تھی۔ زارا نہ چاہتے ہوئے شادی میں گئی' پرپل رنگ کی ساڑھی میں ہلکے سے میک اپ کے ساتھ وہ بہت حسین و خوبصورت لگ رہی تھی' عذیر کی سنگت میں بوجھل دل کے ساتھ سب سے ملنے کے بعد جب دونوں ملیحہ فراز کے پاس آئے تو وہ دونوں سے بڑے خوشگوار موڈ میں ملی' خصوصاً زارا سے مل کر وہ بہت خوش ہوئی تھی جبھی عذیر کی طرف مڑتے ہوئے شرارت سے بولی۔

''اب سمجھ میں آیا کہ تم کیوں اپنی بیوی کو ہم سے نہیں ملوا رہے تھے' ویسے ایک بات ہے شی از ویری نائس' تم دونوں کی جوڑی بہت سوٹ کر رہی ہے''۔ عذیر نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا جبکہ زارا نے کوئی رسپانس نہ دیا' وہ دونوں باتیں کرنے لگے' زارا چند ثانیے وہاں بوجھل موڈ کے ساتھ کھڑے رہنے کے بعد دونوں سے اجازت لیتی ایک کونے کی طرف بڑھ گئی تو ملیحہ نے کہا۔

''لگتا ہے تمہاری وائف کو مجھ سے مل کر خوشی نہیں ہوئی''۔

''ارے نہیں ایسی بات نہیں ہے' بس اس کی طبیعت کچھ خراب ہے اسی وجہ سے' پلیز تم مائنڈ مت کرنا''۔ عذیر نے اسے ٹالا حالانکہ اُسے بھی زارا کا رویہ خاصا بُرا لگا تھا' کچھ دیر ملیحہ کے ساتھ رہنے کے بعد وہ اس کی طرف چلا آیا' شادی کے تمام فنکشن میں وہ بوجھل دل کے ساتھ شامل رہی' رات گئے جب دونوں گھر واپس آئے تو اس وقت کوئی بحث و مباحثہ نہ کیا لیکن صبح ناشتے کے وقت عذیر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے غصیلے لہجے میں کہا۔

''تمہیں کوئی بھی کام کرنے سے پہلے سوچنا چاہیئے کہ وہ ٹھیک بھی ہے کہ نہیں' کل تمہاری وجہ سے مجھے ملیحہ کے سامنے شرمندگی اٹھانا پڑی ہے' تھوڑی دیر وہاں رُک نہیں سکتی تھیں' تمہاری حرکت نے ملیحہ کو بہت ہرٹ کیا ہے''۔

''بڑی فکر ہے تمہیں اس کی؟'' جواباً وہ کاٹ دار لہجے میں بولی۔

''کہنا کیا چاہتی ہو تم؟'' وہ تو جیسے اٹکا ہوا تھا لڑائی کے لیے' فوراً پھٹ پڑا' لہجہ تلخ مگر سخت تھا۔

''میں کیا کہنا چاہتی ہوں؟'' وہ استہزائیہ بولی پھر یکلخت ہی سنجیدگی سے بولی۔

''مسٹر عذیر! پہلے تم مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو' گھر والوں کے سامنے مجھے اپنے ساتھ لے جانے سے تم کیا ثابت کرنا چاہتے تھے؟ دوسری بیوی کے ہوتے ہوئے مجھے یہاں لا کر کیا ثابت کرنا چاہتے تھے؟ اس رات جو کچھ ہوا تم اس سے کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟ یہی کہ تم مرد ہو جو چاہے کر سکتے ہو' کسی کے بھی احساسات و جذبات سے کھیل سکتے ہو' کسی کی بھی عزت محبت اور آرزوؤں کو جب چاہو اپنے پاؤں تلے کچل سکتے ہو' لیکن شاید تم یہ نہیں جانتے کہ دوسروں کی کیا پریشانی ہے؟ کیا مسئلہ ہے ان کے ساتھ؟ جو وہ تمہارے ہر عمل پر خاموش رہتے ہیں؟'' وہ بات کرتے کرتے رو گئی تھی' جبکہ آواز میں درد تھا کرب تھا جسے عذیر نے بھی محسوس کیا تھا مگر اسے روتا دیکھ کر وہ غصیلے لہجے میں چلایا۔

''مگر اب جاننا چاہوں گا کہ تمہیں ایسی کون سی پریشانی ہے' ایسا کون سا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ جو تم یہ ڈھونگ رچا رہی ہو؟'' اشارہ آنسوؤں کی طرف تھا۔ زارا نے اس کی طرف افسردہ نظروں سے دیکھا پھر آنسوؤں کو پیتے ہوئے بولی۔

''اپنا دکھ درد ان لوگوں کو بتایا جاتا ہے جو ہمارے دکھ درد کو سمجھتے ہوں اور میرے خیال میں تم اس قابل نہیں ہو کہ تم سے کچھ کہا جائے یا تمہیں بتایا جائے''۔ اپنی بات مکمل کر کے وہ وہاں رُکی نہیں تھی بلکہ ایک سرسری مگر تاسف بھری نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئی' اس کے جانے کے بعد عذیر وہیں بیٹھا رہا بہت سی سوچوں اور خیالات کے ساتھ۔

شام کو ہی زارا نے اسے اپنے واپس جانے کی اطلاع دی تو وہ خاصا حیران ہوا مگر منہ سے کچھ نہ بولا اور اگلے دن اس کے جانے کا انتظام کر دیا' اس کے جانے سے پہلے ہی وہ چاہتا تھا کہ اسے اپنی اُس سے محبت کا بتا دے لیکن چاہنے کے باوجود وہ اپنے اندر اتنی ہمت و حوصلہ پیدا نہ کر سکا کہ اس کے سامنے اظہار محبت کر سکے' یہاں تک کہ وہ چلی بھی گئی' عذیر اگر اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا بھی تو زارا نے سننا گوارا نہ سمجھا' دن جتنی تیزی سے گزرتے جا رہے تھے اس کے خیال میں اتنی ہی شدت سے زارا کی محبت پروان چڑھتی جا رہی تھی مگر یہ محبت اپنے اندر اتنا حوصلہ نہیں رکھتی تھی کہ اپنے ہونے کا احساس دلا سکتی' نیند تو جیسے اس سے روٹھ چکی تھی' جب بھی آنکھیں موندتا آنکھوں کے سامنے زارا کا شکوہ کناں روٹھا ہوا چہرہ آ جاتا۔ لیکن اب اس نے اپنی زندگی کی کہانی کا کلائمکس کرنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔

............☆☆☆............

''یہ تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے اپنی؟'' پورے ایک مہینے بعد ملیحہ فراز اس کی حالت دیکھتے ہوئے شاکڈ انداز میں بولی تھی۔

''کیا مطلب؟ ٹھیک ہی تو ہوں' مجھے کیا ہونا ہے؟'' اس کا انداز بجھا بجھا سا تھا۔

''بدل گئے ہو تم' کب سے آئینہ نہیں دیکھا' اپنی حالت تو دیکھو شیو بڑھی ہوئی ہے آنکھیں ایسی ہیں کہ جیسے برسوں سے سوئی نہ ہوں' لب و لہجے میں نہ کوئی تازگی اور نہ کوئی شوخی' تم تو پہلے والے عذیر لگ ہی نہیں رہے' کوئی مسئلہ ہے''۔ وہ اس کا بائیو ڈیٹا بتاتے ہوئے فرینکلی استفسار کرنے لگی' عذیر نے سرعت سے اس کی طرف دیکھا پھر نظریں چراتے ہوئے بولا۔

''یہ تمہارا وہم ہے میں بالکل ٹھیک ہوں' بس دو دن سے ہلکا بخار تھا اسی لیے اتنا ست ہو گیا ہوں' تم سناؤ! زوہیب کیسا ہے؟'' اس نے بات بدلی۔

''تم بات بدل رہے ہو عذیر''۔ ملیحہ اسے اصل بات سے ہٹتا دیکھ کر گھورنے لگی۔

''ملیحہ! کیا ہو گیا ہے تمہیں' میں بالکل ٹھیک ہوں''۔ وہ زبردستی مسکراہٹ چہرے پر سجاتے ہوئے بولا مگر وہ سنجیدہ تھی۔

''میں تو بالکل ٹھیک ہوں عذیر! البتہ تم مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش ضرور کر رہے ہو اور تم جانتے ہو کہ میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں' تمہارے ہر دُکھ درد کو سمجھ سکتی ہوں' سو تم بلا جھجک مجھ سے اپنی پریشانی شیئر کر سکتے ہو ورنہ میں یہی سمجھوں گی کہ تم مجھے اپنا دوست نہیں سمجھتے''۔ ملیحہ کا لب و لہجہ سنجیدہ مگر دوستانہ تھا' اسی وجہ سے عذیر نے اس سے مزید کچھ چھپائے سب کچھ اسے بتا دیا سوائے اس کے کہ وہ لڑکی جس کی وجہ سے اس نے انکار کیا تھا ملیحہ فراز ہی تھی' ملیحہ نے سب کچھ سننے کے بعد دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا پھر توقف کے بعد بولی۔

''شکل سے تم اتنے بے وقوف اور بزدل نہیں لگتے جتنی بے وقوفی اور بزدلی کا مظاہرہ کیا ہے تم نے''۔

''کیا مطلب؟'' وہ حیران ہوا۔

''بہت خوب!'' وہ اس کے چونکنے پر غصے میں آ گئی پھر بولی۔

''تمہاری بے وقوفی یہ ہے کہ سب سے پہلے تم نے زارا کو اپنے انکار کے متعلق بتا کر اس کے دل میں اپنے لیے نفرت کا بیج بویا' دوسری بے وقوفی یہ کہ دوسری شادی کی غلط اطلاع دے کر اس کے دل میں پلتی نفرت کو مزید پروان

چڑھایا' تیسری بے وقوفی یہ کہ اسے یہ نہ بتایا کہ تم نے کوئی دوسری شادی نہیں کی اور بزدلی یہ کہ اس سے بے پناہ محبت کے باوجود اب تک اسے یہ نہیں بتا سکے کہ تم اس سے محبت کرتے ہو اور وہی تمہاری......"

"ملیحہ پلیز!" عذیر اس کی بات کاٹ گیا۔

"بجائے اس کے کہ تم میری مدد کرو یا مجھے کوئی طریقہ بتاؤ لیکچر دینے بیٹھ گئی ہو"۔ عذیر کا انداز ایسا تھا کہ بے اختیار اس پر ہنسی آ گئی' لیکن عذیر کے افسردہ چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ فوراً اپنی ہنسی کو روک گئی پھر بولی۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟"

"زارا کو اپنی محبت کا یقین دلانا چاہتا ہوں' اسے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میری پہلی اور آخری محبت صرف اور صرف وہی ہے' میری زندگی میں کوئی دوسری لڑکی آج تک نہیں آئی' میں صرف وقتی طور پر انجانے میں کسی کی دوستی کو پیار سمجھ بیٹھا تھا حالانکہ میرے دل میں تو ہمیشہ سے وہی موجود تھی اور اب بھی ہے"۔ وہ دیوانگی کے عالم میں بولا۔

"اوکے فائن"۔ وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سوچنے لگی' عذیر نے اس کے بولنے کا انتظار کیا تو وہ کچھ سوچنے کے بعد بولی۔

"میں نے تمہارے مسئلے کا حل سوچ لیا ہے"۔

"کیا؟" وہ بے تابی سے پوچھنے لگا۔

"حل یہ ہے کہ تم ایک ڈائری لو اور اس میں وہ سب کچھ لکھ دو جو تم نے ابھی مجھے بتایا ہے اور خاص طور پر ڈائری میں اپنی محبت کا ذکر زیادہ سے زیادہ کرنا تاکہ تمہاری بیوی کو جلد سے جلد تم پر یقین آ جائے' اوکے ایک اور بات' تمہیں شاعری وغیرہ آتی ہے؟ میرا مطلب ہے کہ کوئی غزل یا نظم وغیرہ اگر تمہیں یاد ہو تو وہ بھی ڈائری میں لکھ لینا"۔ وہ اسے سمجھانے لگی۔

"غزل یا نظم لکھنے سے کیا ہوگا؟" وہ اس کی باتوں کو بڑے غور سے سننے کے بعد پوچھنے لگا۔

"دلسن' شاعری دل سے نکلے جذبات واحساسات کو بڑی خوبصورتی سے بیان کرتے ہوئے محبتوں کی سفیر ہونے کا کام سرانجام دیتی ہے اور میرے خیال میں اظہار محبت کا سب سے بہترین طریقہ شاعری ہے"۔

"یہاں تک تو ٹھیک ہے مگر اس کے بعد کیا کرنا ہوگا؟" اس نے مزید استفسار کیا۔

"اس کے بعد تمہیں یہ کرنا ہوگا کہ ڈائری کو تکیے کے نیچے رکھ کر خود وہاں سے ہٹ جانا تاکہ تمہاری غیر موجودگی میں زارا ڈائری کو آرام سے پڑھ سکے اور جب تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ڈائری پڑھ چکی ہے تو موقع دیکھ کر اسے منا لینا' مزید دیر مت کرنا"۔ ملیحہ کے سمجھانے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا' یقیناً ملیحہ نے آج اس کی زندگی کے سب سے بڑے مسئلے کا حل پیش کر کے ایک مخلص دوست ہونے کا فرض نبھایا تھا' عذیر نے تہہ دل سے اس کا شکریہ ادا کیا اور پھر کچھ دیر اس کے ساتھ گزارنے کے بعد اجازت لیتا اٹھ کھڑا ہوا کیونکہ اب اسے لاہور جانا تھا اپنی محبت کو اُمر کرنے کے لیے۔

............☆☆☆............

اگلے ہی دن وہ لاہور پہنچ گیا تھا' سب ہی اس کی اچانک آمد پر خوش تھے سوائے زارا کے' دونوں میں بول چال نہ ہونے کے برابر تھی اور جو تھوڑی بہت تھی بھی وہ زارا کی طرف سے طنز کی صورت میں تھی' عذیر نے فی الحال خاموشی طاری کی ہوئی تھی کیونکہ آج کل وہ ملیحہ فراز کے کہنے کے مطابق اپنے ماضی کو کچھ حقیقت اور کچھ جھوٹ کا رنگ دیے

تحریر کر رہا تھا' زارا کے لیے اس کی خاموشی حیران کن تھی۔

اور پھر ایک دن اس نے ڈائری مکمل کر لی جسے رات کو زارا کی غیر موجودگی میں اس نے ایک مخصوص حالت میں ڈائری کو تکیے کے نیچے رکھ دیا اور اس کے کمرے میں آنے سے پہلے سو گیا' صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو زارا مزے سے سو رہی تھی' عذیر نے ایک سرسری مگر شوخ نگاہ اس کے موہنے مکھڑے پر ڈالی اور کچھ ہی دیر میں تیار ہو کر کمرے سے باہر نکل گیا' ناشتہ کیا اور پھر بغیر بتائے گھر سے یہ سوچتے ہوئے نکل گیا کہ کمرے کی صفائی کرتے وقت وہ ضرور ڈائری پڑھ لے گی۔

رات کو جب عذیر گھر میں داخل ہوا تو تقریباً اس وقت تک سب سو چکے تھے سو وہ سیدھا کمرے میں چلا آیا جہاں لائٹ تو آن تھی البتہ زارا سو چکی تھی' وہ ایک گہری مگر چاہت بھری نظر زارا پر ڈالتا بیڈ کی دوسری سائیڈ پر بیٹھ کر جوتے اتارنے لگا پھر اچانک کچھ یاد آنے پر آگے جھک کر تکیہ اٹھانے پر اس نے محسوس کیا کہ ڈائری ہنوز اسی حالت میں پڑی ہوئی ہے جس حالت میں وہ رکھ کر گیا تھا جس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ زارا نے ڈائری نہیں پڑھی' وہ خاصا مایوس ہوا' پھر ڈائری کو دوبارہ تکیے کے نیچے رکھنے کے بعد کپڑے چینج کیے بناء لائٹ آف کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

رات کو دیر سے سونے کی وجہ سے صبح عذیر کافی دیر سے اٹھا تھا اور اٹھتے ہی اس نے سب سے پہلے اپنے اطراف میں نگاہ گھمائی جہاں زارا موجود نہ تھی' لیکن جب وہ فریش ہو کر آیا تو اسے کمرے میں ہی موجود پایا' بالوں کو سیٹ کرتے وقت اس کی نظریں زارا پر ٹکی ہوئی تھیں جو اسے سرے سے اگنور کیے اپنی ہتھیلیوں پر نگاہیں جمائے بیٹھی تھی' کمرے کی فضا میں گہرے سکوت کا راج تھا' عذیر نے توقف کے بعد صوفے پر بیٹھتے ہوئے اسے آواز دی۔

"سنو!" دوسری جانب سے کوئی جواب نہ آیا تو وہ دوبارہ گویا ہوا۔

"ناشتہ مل سکتا ہے؟" تو وہ اس کے کہنے پر بغیر کچھ بولے کمرے سے نکل گئی اور پھر کچھ ہی دیر بعد ناشتے کی ٹرے لیے دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی' عذیر کی پُرشوخ نگاہیں اسی پر مرکوز تھیں' ٹرے ٹیبل پر رکھنے کے بعد وہ مڑنے لگی تبھی عذیر نے سرعت سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"چھوڑیں میرا ہاتھ"۔ وہ اچانک افتاد پر بوکھلائی تھی۔

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں"۔ زارا کے برعکس وہ آہستگی سے بولا۔

"مجھے کچھ نہیں سننا"۔ اس کا انداز دوٹوک تھا۔

"ہم کب تک یوں زندگی گزاریں گے؟" زارا کے انداز ولب ولہجہ کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا' ساتھ اس کا ہاتھ بھی چھوڑ دیا۔

"کیا مطلب؟" وہ حیران ہوئی۔

"تمہیں نہیں لگتا ہم ایک دوسرے سے دور ہوتے جا رہے ہیں' ہمارے بیچ فاصلے آ گئے ہیں"۔ عذیر اب کے سنجیدگی سے بولا۔

"یہ فاصلے آپ خود لائے ہیں"۔ زارا اس کی بات کا مطلب سمجھ کر تلخی سے طنزیہ لہجے میں بولی۔

"اور اب میں ہی ان فاصلوں کو مٹانا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ تم بھی میرا ساتھ دو"۔ وہ پُرامید لہجے میں اس کی طرف بڑھا۔

"آپ کی یہ خواہش ساری عمر خواہش ہی رہے گی"۔

”تم کیوں ایسا کر رہی ہو؟“

”میں نے کیا کیا ہے؟“ وہ الٹا پھٹ پڑی تھی‘ عذیر کی تمام کوتاہیاں و بے وفائیاں یاد آتے ہی من میں لگی نفرت کی آگ بھڑکی تھی۔

”تم مجھے تڑپا رہی ہو“۔

”اوہ شٹ اپ“۔ زارا کو اس کی عجیب و غریب باتوں پر غصہ آنے لگا۔

”تم آرام سے میری بات نہیں سن سکتیں؟“

”نہیں!“ صاف صاف جواب دیا‘ اب کے عذیر کچھ نہ بولا‘ بیڈ کی جانب بڑھا اور سائیڈ ٹیبل پر پڑی گھڑی اٹھائی اور ساتھ ہی بڑی مہارت سے تکیہ پرے کر دیا تاکہ زارا کو ڈائری نظر آ سکے اور پھر دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ کمرے سے نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد زارا بیڈ پر آ بیٹھی مگر جیسے ہی اس نے اپنے اطراف میں نظر ڈالی تو اسے عذیر کے سرہانے کے نیچے ڈائری نظر آئی‘ زارا حیران ہوئی پھر ہاتھ آگے کر کے ڈائری اٹھالی اور گہری نظروں سے ڈائری کو کھول کر پڑھنے بیٹھ گئی۔

پھر جیسے جیسے وہ ڈائری پڑھتی گئی تمام حقیقت ایک حیرت انگیز انکشاف کی صورت اس پر عیاں ہوتی گئی‘ اپنے لیے عذیر کی محبت ایک خوشگوار انکشاف تھا‘ ایک ایسا انکشاف جو اس کی اداسی کو خوشی میں بدل گیا تھا‘ اس کے دل میں عذیر کے لیے موجود تمام کثافتوں کو ایک پل میں مٹا گیا تھا‘ زارا کو اس کی محبت کا خود بخود یقین ہوتا چلا گیا اور خاص طور پر آخر میں لکھی گئی نظم کو پڑھنے کے بعد اسے اپنی محبت اپنی چاہت پر رشک آنے لگا‘ نظم پڑھنے کے بعد اس نے ڈائری بند کر کے واپس جگہ پر رکھ دی۔

اپنی محبت کو پالینے کے احساس سے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے‘ اسے اپنے چہار سو خوشیاں ہی خوشیاں بکھرتی دکھائی دے رہی تھیں‘ اسے پتہ ہی نہ چلا کہ وہ کیسے اٹھی اور چاہت کے نئے احساس کے ہزاروں رنگوں سے خود کو مہکانے لگی‘ پہلی مرتبہ اس نے دل سے عذیر کے لیے تیار ہونے کا ارادہ کیا اور پھر تیار ہو کر اس کے آنے کا انتظار کرنے لگی اور جب وہ کمرے میں داخل ہوا تو اسے اپنا منتظر پایا۔ عذیر اسے اپنے لیے محو انتظار پا کر پہلے تو بہت حیران ہوا لیکن پھر یکلخت ہی انوکھی خوشی کے احساس سے اس کے ہونٹوں پر مسحور کن مسکراہٹ پھیل گئی۔

”یہ لیں!“ اسے اپنی طرف متوجہ پا کر زارا نے ڈائری اس کی طرف بڑھا دی۔

”یہ...... یہ تمہارے پاس کیسے؟“ وہ مصنوعی حیرت سے استفسار کرنے لگا۔

”آپ شاید ڈائری تکیے کے نیچے رکھ کر بھول گئے تھے“۔ وہ لجاجت آمیز لہجے میں بولی‘ عذیر دھیرے سے مسکرایا‘ دل میں اپنی چالاکی پر خوش ہوا پھر سنجیدہ ہوا۔

”میں نہیں جانتا کہ اسے پڑھنے کے بعد تمہیں میری محبت کا یقین آیا کہ نہیں‘ مگر میں تم سے ضرور کہنا چاہوں گا کہ میری محبت صرف و صرف تم ہو‘ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں‘ میری محبت میں کوئی کمی یا کھوٹ نہیں ہے البتہ مجھ سے ایک غلطی ضرور ہوئی تھی اور اب میں اس غلطی کا خمیازہ بھگتنے کے لیے تیار ہوں“۔ وہ نرم مگر سنجیدگی سے کہتے ہوئے تھوڑی دیر رُکا پھر مزید بولا۔

”میں تمہارے پیار کو جان نہیں پایا تھا اور کسی اور کی دوستی کو محبت سمجھ بیٹھا حالانکہ یہ دل تو صرف تمہارے پیار کے لیے بنا ہے‘ اس دل کی ہر دھڑکن پر تمہارا نام لکھا ہے اور تادم حیات لکھا رہے گا‘ بلکہ میرا دل تو دھڑکتا ہی تمہارے نام سے ہے‘ میں بہت خوش نصیب ہوں کہ بہت جلد تمہاری طرف لوٹ آیا ورنہ شاید تھوڑی سی بھی دیر مجھے تم سے بہت

دور لے جاتی اینڈ زارا آئی ایم ویری سوری“۔ وہ تمام تر سچائی سے کہتے ہوئے آخر میں شرمسار ہوا۔

”سوری فار وہاٹ؟“ وہ چونک کر استفسار کرنے لگی۔

”سوری اس لیے کہ میں نے تمہاری محبت کو جاننے اور تمہیں بتانے میں بہت دیر لگائی“۔ وہ اپنائیت بھرے لہجے میں گویا ہوا۔

”میرے نزدیک یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ آپ نے اظہار محبت کرنے میں دیر لگائی ہے‘ میرے نزدیک آپ کا اقرار زیادہ اہمیت رکھتا ہے کیونکہ دیر سے ہی سہی مگر آپ میرے پیار کو جان تو گئے ہیں“۔ وہ نارمل انداز میں بولی‘ عذیر یکلخت پرسکون ہو گیا۔

”ویسے ایک بات ہے“۔ اس کے چہرے پر طمانیت کے رنگ بکھرتے دیکھ کر زارا مزید بولی۔

”کیا؟“ وہ پوچھنے لگا۔

”یہی کہ شکل و صورت سے آپ اتنے بے وقوف اور بزدل نہیں لگتے جتنی بے وقوفی اور بزدلی کا مظاہرہ آپ نے کیا ہے“۔ لہجے میں لجاجت کے ساتھ ساتھ شرارت بھی تھی۔

”کیا مطلب؟“ وہ حیران ہوا۔

”مطلب یہ کہ جب آپ نے دوسری شادی کی ہی نہیں تھی تو پھر جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی‘ یہ آپ کی بے وقوفی ہے اور بزدلی اس لیے کہ مجھ سے محبت کرنے کے باوجود بھی اظہار محبت میں دیر لگا دی اور یہ ہی نہیں......“

”پلیز ناٹ اگین“۔ وہ بول ہی رہی تھی کہ عذیر اسے ٹوک گیا کیونکہ اس کے ذہن میں ملیحہ فراز کے الفاظ گونجنے لگے جو اس نے تمام صورتحال سننے کے بعد کہے تھے۔

”کیا ہوا؟“ زارا اس کے انداز پر متعجب ہو کر پوچھنے لگی۔

”تم نہیں سمجھو گی‘ خیر یہ بتاؤ تمہیں میری شاعری کیسی لگی؟“ وہ بات بدلتے ہوئے پوچھ بیٹھا۔

”کون سی؟“

”وہ ہی جو ڈائری میں لکھی ہوئی ہے“۔

”ہوں...... وہ تو بہت خوبصورت ہے لیکن وہ اور بھی خوبصورت ہو سکتی ہے اگر آپ مجھے خود پڑھ کر سنائیں تو؟“ زارا نے پیار بھرے انداز میں فرمائش کی تو وہ دھیرے سے مدھم مسکراہٹ کے ساتھ گلا کھنکارتے ہوئے شاعرانہ انداز میں شروع ہوا۔

”دل سے
اقرار کیا تیری الفت کا
ہے یہی سچ‘ ہے یہی حقیقت
تھا ہمیشہ سے قائل میں تیری الفت کا“

زارا بڑی محویت سے اُسے سنے جا رہی تھی‘ عذیر نے نظم پڑھنے کے بعد اسے پیار بھری نظروں سے دیکھا جو ابھی تک نظم کی پُرسحر تاثیر میں محو تھی اور چہرے پر طمانیت و خوشی کے رنگ رقص کر رہے تھے‘ عذیر نے آگے بڑھ کر چاہت سے اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا‘ زارا نے اپنے پیار کو پالیا تھا سو خوشی سے اپنا منہ اس کے کشادہ سینے میں چھپا لیا۔ دل والوں کے دل سے پیار کی آبشار سے چاہت بھری مہکاریں کمرے کی فضا کو معطر کرنے میں مصروف ہو چکی تھیں۔

..........☆☆☆..........